ماہنامہ المرشد

فروری 2016ء

ربیع الثانی / جمادی الاول 1437ھ

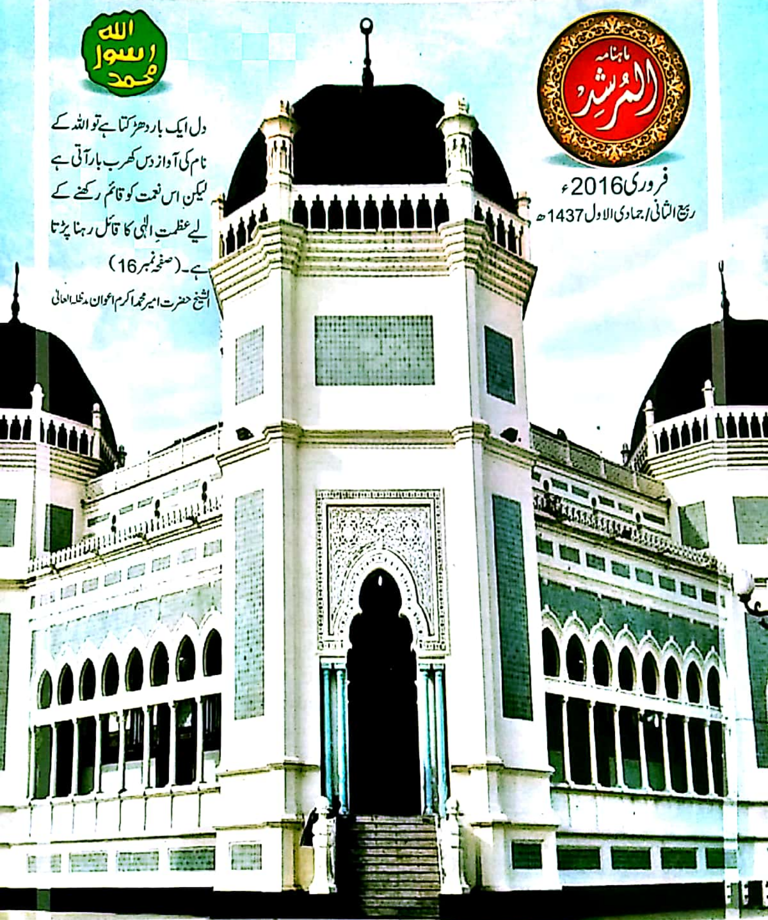

اللہ رسول محمد

دل ایک بار دھڑکتا ہے تو اللہ کے نام کی آواز دس کھرب بار آتی ہے لیکن اس نعمت کو قائم رکھنے کے لیے عظمتِ الٰہی کا قائل رہنا پڑتا ہے۔ (صفحہ نمبر 16)

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ بسر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلاً قَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ قَدْ کَثُرَتْ عَلَیَّ فَاَخْبِرْنِی بِشَیْءٍ اَتَشَبَّثُ بِہٖ قَالَ: لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْباً مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی رحمت ﷺ سے سوال کیا، ہمارے کے سارے احکام شریعت کی کماحقہ تکمیل میں، میں اپنے آپ کو کمزور پاتا ہوں۔ مجھے کوئی ایسا سہل اور جامع عمل بتائیں جسے میں حرزِ جان بنالوں۔ فرمایا: بس زبان ہمیشہ ذکرِ الٰہی سے تر رہے۔

MASJID RAYA MOSQUE (TANJONG PINANG, INDONESIA)

تصوف

تصوف کیا ہے؟

تصوف عشق ہے، تصوف کا حاصل عشق ہے، تصوف کا راستہ محبت کا سفر ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں یہ عشق ایک لمحے کی صحبت میں پالیا گیا۔ بعد میں آنے والے اہلِ محبت کے پاس بیٹھنے سے، اپنے قلب پر اللہ کے پاک نام کی ضربیں لگا کر پاتے رہے۔ جن کے سینوں میں عشقِ الٰہی اور اپنے نبی ﷺ سے وفا کر جانے کی لگن تھی وہ ساتھ بیٹھنے والوں کو یہ جذبے عطا کرتے رہے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی یہی راستہ ہے اور یہی سلیقہ ہے اور اسی کا نام تزکیہ، صفائے قلب اور تصوف ہے۔

عشق سکھایا نہیں جاتا، یہ ہوجاتا ہے۔ یہ جذبہ ہے یہ بغیر شیخ کے سینے کے نہیں ملتا۔ اس احساس کو دل میں پالینے کا نام تصوف ہے کہ ربِ کریم کو اپنی مخلوق سے کتنا پیار ہے! رحمۃ للعالمین ﷺ کی محبت کا جواب محبت سے دینے کے جذبے کو پالینا تصوف ہے۔ بلاشبہ اللہ کریم سے محبت کا تعلق ہی اطاعت کرواتا ہے۔

تصوف کا حاصل کیا ہے؟ تصوف کا حاصل ہے معیتِ رسالت ﷺ۔ معیت کا معنی ہے ساتھ ہونا۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہونے میں ہی سارا اسلام ہے۔ ہر مسلمان کا سرمایہ حضور ﷺ کی معیت ہے کیونکہ جو حضور ﷺ کے ساتھ ہوتا ہے وہ کفر کے لیے ناقابلِ تسخیر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ کا نور ہوتا ہے۔ صحیح عقیدے کا نور، صالح اعمال کا نور، اسی نور سے کفر ہمیشہ لرزتا ہے۔ یہی نور، اسلام کے دائمی غلبہ کی پہچان ہے۔

یہ کیفیتِ ایمان جسے منتقل ہوتی ہے وہ ہر کام اللہ کی محبت میں کرتا ہے اور اللہ کے روبرو کرتا ہے۔ غلطی ہوجانا تو بشریت ہے وہ غلطی پر قائم نہیں رہتا چونکہ اس کے دل میں محبتِ رسول ﷺ کا سمندر موجزن رہتا ہے تو وہاں نفرت و بغض کے تنکے کہاں باقی رہتے ہیں۔ وہ ہر قربانی دے کر اپنے نبی پاک ﷺ سے وفا کر جاتا ہے۔ یہ جذبۂ جاں سپاری اہل اللہ کی صحبت کا صدقہ ہے۔

معیتِ رسالت ﷺ کی دولت صرف صحابہ کرامؓ تک محدود نہیں۔ ہر ایمان والے کے لیے ہے اور تصوف اسی نعمت کے حصول کا نام ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

المرشد

PS/CPL#15

فروری 2016 ربیع الثانی/جمادی الاول 1437ھ

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

فہرست

عنوان	مصنف	صفحہ
اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقہ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
آپس کی بات	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	18
اکرم التفاسیر، سورہ النمل (93-83)	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	22
سوال وجواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	27
ذکر خفی قلبی	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	36
ریا اور اُس کا علاج	امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	41
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	46
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	49
طب	حکیم سید ماجد علی شاہ، اکوڑہ خٹک	51
Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	54
Tassawuf	Maulana Allah Yar Khan(RAU)	57

جلد نمبر 37 شمارہ نمبر 6

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن مینیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرقی وسطی کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 سٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور

Ph:042-35180381, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org/info

Ph:0543-562200, FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں اس دائرے میں اگر X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل
تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِیۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡکُمۡ .... مَوۡعِظَۃً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۔ (البقرہ:65،66)

کہ وہ لوگ بھی تمہی سے تھے جنہوں نے ہفتہ کے دن میں زیادتی کی۔ یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا کہ یہ لوگ سمندر کے کنارے آباد تھے اور مچھلی ان کے معاش کا ذریعہ تھی۔ اللہ نے حکم دیا کہ ہفتہ کے روز مچھلی نہ پکڑا کریں کہ یہ روز ان کے لیے مکرم اور عبادت کا تھا مگر ہوتا یہ کہ اس روز مچھلیاں بھی کثرت سے کنارے کے قریب آجاتی تھیں۔ ان لوگوں سے رہا نہ گیا تو حیلہ ایجاد کرلیا کہ کنارے پر گڑھے بنادیئے اور نالیوں کے ذریعے سمندر سے ملادیئے۔ جب گڑھے مچھلیوں سے بھر جاتے تو نالی میں سِل وغیرہ رکھ کر بند کردیتے، پھر دوسرے روز پکڑتے رہتے۔ کوئی کانٹا ڈال دیتا مچھلی اس میں اٹک جاتی مگر وہ اس روز نہ پکڑتا، دوسرے روز نکال لیتا۔ جن لوگوں کو اللہ نے اطاعت کی توفیق بخشی انہوں نے سختی سے منع کیا۔ یہ سخت جرم ہے۔ تلخی بڑھی، یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے ان کی بستی ہی علیحدہ کردی اور درمیان میں دیوار کھینچ دی کہ اگر تم نہیں کر سکتے تو الگ رہو۔

ایک روز انہیں نافرمانوں کی طرف سے کوئی انسانی آواز سنائی نہ دی بلکہ درندوں اور بندروں کے چلانے کی آوازیں تھیں۔ جا کر دیکھا تو سب بندر اور خنزیر بن چکے تھے۔ جوان بندر اور بوڑھے خنزیر بن گئے۔ رشتہ داروں کو پہچانتے، ان کے پاؤں میں لوٹتے اور چیختے تھے مگر کچھ نہ بن سکا اور چند روز اسی عذاب میں مبتلا رہ کر ہلاک ہو گئے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے جن قوموں پر مسخ کا عذاب واقع ہوا ان کی نسل نہیں چلی۔ یہ موجودہ بندر وغیرہ پہلے بھی تھے۔ یہ جدا مخلوق ہیں اس سے ان کا تعلق نہیں ہے۔

حیلہ کی قسمیں

یہاں ایک بات تو واضح ہے کہ کوئی ایسا حیلہ جس سے حکم شرعی کا ابطال ہوتا ہو جائز نہیں بلکہ سخت جرم ہے۔ ہاں فقہاء کے وہ حیلے جن سے حکم شرعی کی تعمیل مقصود ہے نہ کہ ابطال، وہ اس میں داخل نہیں اور دوسری بات یہ کہ نیکوں کے ساتھ رہنا بھی عمومی عذاب کی گرفت سے بچانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ جب تک مل کر رہے، بچے رہے، مگر جب نیک لوگوں کو بالکل علیحدہ کردیا اور قدامت پسندوں کو جدا کردیا تو تہذیب یافتہ لوگ عذاب کی گرفت میں آگئے۔ خدا تعالیٰ ہمیں نیکوں کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین

اداریہ

الله رسول محمد

پیرانِ پیر

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ.

جان لو بے شک جو اللہ کے دوست ہیں انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ افسوس کریں گے۔(سورۃ یونس:62)

پیرانِ پیر حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ وہ عظیم ہستی ہیں کہ پانچویں صدی ہجری سے آج تک اسلام کے اُفق پر ایک روشن ستارے کی مانند دمک رہے ہیں اور مخلوق خدا کی راہنمائی کا سبب ہیں۔آپؒ کو آپ کے مشائخ اور اساتذہ نے کئی القابات سے نوازا جبکہ آپ کے عقیدت مند آپؒ کی محبت میں جتنے القابات استعمال کرتے ہیں وہ شمار سے باہر ہیں۔سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے عظیم المرتبت شیخ قلزم فیوضات حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ آپؒ کے لیے پیرانِ پیر کا لقب استعمال فرماتے اور روحانی اسباق کی بلندی کے ساتھ ساتھ اسباق کی انتہائی پختگی کا اظہار فرماتے تھے۔

آپؒ کی ولادت باسعادت 470 یا 471ھ بمطابق لگ بھگ 1078ء روایت کی جاتی ہے۔کتاب النجوم الزاہرہ کے مطابق مقامِ پیدائش 'جیل' نام کا ایک گاؤں ہے جو کہ بغداد اور واسط کے درمیان واقع ہے مگر کثیر مورخین و محققین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کا مقام پیدائش در ہائش بحیرہ خزر کے جنوبی صوبے جیلان (گیلان) کا نیف نامی ایک گاؤں ہے۔ آپؒ کا لقب محی الدین، کنیت ابو محمد اور نام عبدالقادر ہے۔آپؒ کا سلسلۂ نسبت اپنے والد سید ابو صالحؒ کی طرف سے گیارھویں پشت میں جا کر حضرت سید امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جبکہ آپ کی والدہ سیدہ فاطمہؒ کی جانب سے چودھویں پشت میں جا کر حضرت سید امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مل جاتا ہے۔دونوں طرف سے سلسلۂ نسب کی تعداد کی تحقیق میں شاید کچھ فرق ہو مگر سلسلۂ نسب سے الحسنی والحسینی سید ہونے پہ کلی اتفاق ہے۔

بعض محققین کے نزدیک آپ کی ولادت کے وقت آپؒ کی والدہ کی عمر ساٹھ (60) برس تھی۔آپ کے والدین انتہائی دیندار ہستیاں تھیں۔آپؒ نے قرآنِ پاک کا حفظ اور ابتدائی تعلیم گھر سے ہی حاصل کی۔اس میں آپ کی والدہ ماجدہ کی بہت محنت شامل ہے کیونکہ آپؒ کی کم عمری ہی میں آپ کے والد دنیا سے پردہ فرما گئے تھے۔اٹھارہ برس کی عمر میں آپؒ بغداد تشریف لے گئے جہاں آپؒ نے متعدد اساتذہ کے علاوہ التبریزیؒ 502ھ سے تحصیلِ علوم و فنون کی۔ابوالوفاء بن العقیلؒ 513ھ سے فقہ (حنبلی) کی تعلیم حاصل کی۔احمد بن مظفرؒ ابوالغالب وغیرہ سے علمِ حدیث اور تصوف میں مختلف بزرگوں سے ہوتے ہوئے حضرت ابوسعید مبارک المخزومیؒ سے خرقۂ طریقت حاصل فرمایا۔

آپؒ نے مختلف اوقات میں چار شادیاں فرمائیں۔تمام سے اولادِ نرینہ پائی اور 90، 91 سال کی عمر میں دار دنیا سے پردہ فرمایا۔آپ کی تاریخ وفات مختلف محققین و کتب کے مطابق 8 سے 17 ربیع الثانی کی تواریخ میں سے ہے جبکہ زیادہ تر کا اتفاق 9 اور 11 پہ ہے جبکہ سن وفات 561ھ ہے۔

آپؒ نے تحصیلِ علم میں جتنی محنت فرمائی اس سے بھی زیادہ محنت تقسیمِ علم میں فرمائی اور ایک جہان کو مستفید فرمایا۔آپؒ کی تصانیف 14 کے لگ بھگ ہیں جبکہ بے شمار مجالس کے بیانات تحریر میں موجود ہیں۔

آپ کے فقہی علوم پہ عبور کا یہ عالم تھا کہ فتویٰ دیتے وقت آپ کو کسی کتاب سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔آپ کی بات اتنی مستند ہوتی کہ بڑے بڑے علماء کرام اُسے سراہتے اور اللہ پاک نے آپؒ کو کیفیاتِ قلبی سے بھی اتنا نوازا کہ چار بڑے سلاسل تصوف میں سے سلسلہ قادریہ آپؒ کے نام سے ہی موسوم ہے۔حاملینِ کیفیاتِ باطنی میں سے حضرت شیخ ابوالحسن قزوینیؒ اور ماضی قریب میں قلزمِ فیوضات حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کا ارشاد ہے کہ آپؒ برزخ میں ملاءِ اعلیٰ کی ذمہ داری پہ ہیں کہ جن کی ذمہ داری امورِ تکوینی میں ہوتی ہے۔آپؒ کے ارشادات کی چند سطور قارئین کی نظر کرتا ہوں۔

قلب کا سنورنا پرہیزگاری، حق تعالیٰ پر توکل، اس کی توحید اور اعمال میں اصلاح پیدا کرنے سے ہے.... اے میرے اللہ ہمارے اعضاء کو اپنی اطاعت اور قلوب کو اپنی معرفت میں مشغول فرما.... اور ہمارا ہو جا۔(پہلی مجلس۔فیوضِ یزدانی)

آخر میں اپنے قارئین سے یہ ضرور کہنا چاہوں گا کہ یہ بات طے ہے کہ جب بھی کوئی کیفیاتِ قلبی حاصل کرنا چاہے تو فقط عقیدت و احترام کافی نہیں، ساتھ میں عمل درکار ہے اور بے شک ایمان، عبادات اور معاملات، یہی راستہ ہے قربِ الٰہی کا، یہی طریق سکھایا ہے نبی کریم ﷺ نے اور اسی راہرو کو اللہ کریم نے فوزِ عظیم کی بشارت عطا فرمائی ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۝

وہ لوگ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے تھے ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔(سورۃ یونس:63، 64)

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔
شیخ المکرم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقۂ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللہُ وَاللہُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللہِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ O أَسْتَغْفِرُ اللہَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ O أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللہُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ O أَعُوْذُ بِاللہِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O پھر ذکر شروع کردیں طریقہ نیچے درج ہے۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

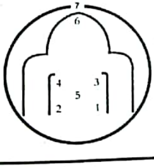

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد ورفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے: کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جارہا ہو۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داودٔ طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت العلاّم مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمۂ مَن وخاتمۂ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی بخیر گردان

وَصَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیمابؔ اور فقیرؔ۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

گردِ سفر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	نشانِ منزل
متاعِ فقیر	دل دروازہ	سوچ سمندر
آس جزیرہ		دیدۂ تر

غزل

دل ہے میرا اس پہ بس میرا نہیں
ہے یہ میرے ہاں کسی کے نام سے

زندگی بخشیں جہاں بھر کو قلوب
ہم گئے دل ہی کے باعث کام سے

دل سے ہر کروٹ پہ اُٹھتا ہے دھواں
کس طرح سوتے ہو تم آرام سے

دل کا سودا کر چکے جو دہر میں
کیا ڈراؤ گے انہیں انجام سے

دار کے سر پر ہے اُمید وصال
بھر گیا دل زندگی کے نام سے

بے وفائی جس کی اک پہچان ہے
ہیں اُمیدیں اس بت گلفام سے

کس لیے تڑپیں گے آخر ہم فقیرؔ
جی نہیں کرتا کہ نکلیں دام سے

سیمابؔ اویسی

"آس جزیرہ" سے انتخاب

اقوالِ شیخ

1- دین کی بنیاد اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق ہے۔ (المرشد، اپریل 2014ء، صفحہ:9)

2- دل حق پر جم جائے تو دلوں میں خلوص آ جاتا ہے۔ (المرشد، اپریل 2014ء، صفحہ:9)

3- کسی خیر کا کوئی ذرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے باہر نہیں۔ (اکرم التفاسیر، جلد:5، صفحہ:113)

4- ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم انفرادی زندگی کے معاملات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں لائیں۔ (اکرم التفاسیر، جلد:5، صفحہ:105)

5- جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانا وہ بے وقوف ہے، اس کے پاس شعور نہیں۔ (المرشد، فروری 2013ء، صفحہ:14)

6- علم کی صفت یہ ہے کہ انسان کا کردار علم کی روشنی میں ڈھل جائے۔ (اسرار التنزیل، جلد:6، صفحہ:248)

7- نتائج کردار پر مرتب ہوتے ہیں زبانی دعووں پر نہیں۔ (اکرم التفاسیر، جلد:5، صفحہ:55)

8- ہر اطاعت گزار بندہ اللہ کا سپاہی ہے۔ (اکرم التفاسیر، جلد:5، صفحہ:55)

9- انسان کو چاہیے کہ اُن باتوں کی فکر کرے جن کا جواب دینا ہے، اُن چیزوں پر توجہ دے جن کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا۔ (اکرم التفاسیر، جلد:17، صفحہ:41)

10- جس طرح بدن کی صحت کے لیے صالح غذا ضروری ہے۔ بدن کی بقا کے لیے، بیماریوں سے بچانے کے لیے دوا ضروری ہے اسی طرح روح کی غذا اور دوا ذکرِ الٰہی ہے۔ (المرشد، ستمبر 2015ء، صفحہ:12)

11- باہمی الفت ثمرۂ ایمان ہے جو آج دعویٰ اسلام کے باوجود عنقا ہے یہ بات ہر مسلمان کے لیے لمحۂ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ (اسرار التنزیل، جلد:3، صفحہ:104)

ماہانہ بیان 8نومبر2015

آپس کی بات

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہو چکا، چھپن سال ہو گئے ہیں الحمدللہ! بیان کرتے تقریریں کرتے، لکھتے پڑھتے، آج تقریر نہیں ہوگی، نہ میں کوئی بیان کروں گا، آج باتیں ہوں گی۔ تقریر کا مخاطب عام آدمی ہوتا ہے جہاں تک اس کی آواز پہنچے، جب باتیں ہوتی ہیں تو اپنوں سے ہوتی ہیں، عوام سے نہیں ہوتیں تو آج باتیں کریں گے۔ باتیں تو دوطرفہ ہوتی ہیں ناں! مجلس میں جو بھی بیٹھا ہے وہ بات کر سکتا ہے کسی بات کی سمجھ نہ آئے دہرا سکتا ہے پوچھ سکتا ہے کوئی حکم بتانا چاہے بتا سکتا ہے۔

حضرت جیؒ تعلیم ظاہری سے فارغ ہوئے تو آپ سماعِ موتی کے قائل نہیں تھے جیسے آج بھی بے شمار علما ایسے ہیں جو سماعِ موتیٰ کے قائل نہیں ہیں، حضرتؒ بھی نہیں تھے۔ یہ بڑا نازک موضوع ہے اور یہ کتابوں سے سمجھ نہیں آتا۔ جس بندے نے کسی کی بات سن کر پیچھے چلنا ہے اس کے لیے تو آسان ہے لیکن جس بندے نے اپنا مطالعہ، اپنے علم، اپنی تحقیق کے مطابق چلنا ہے اس کے لیے یہ اتنا آسان نہیں ہے، بہت مشکل ہے کیونکہ ظاہری الفاظ اس کی طرف راہنمائی نہیں کرتے وہ ظاہر تک رہتے ہیں، یہ بات باطن کی، دل کی کیفیات کی بات ہے۔ الفاظ، کیفیات سے بحث نہیں کرتے آپ پر کوئی کیفیت وارد ہوتی ہے مثلاً خوشی کی تو بھی ایک لفظ ہی لکھیں گے کہ یہ بندہ خوش ہے۔ خوشی کیا ہے، اس کا کیا اثر ہے، کیا نتیجہ ہے، یہ بندہ غمزدہ ہے، غم کیا ہے، اس پر کیا بیت رہی ہے، اس کی کیفیت کیا ہے؟ اس سے الفاظ کا تعلق نہیں ہے۔ کیفیات محسوس کی جا سکتی ہیں لکھی پڑھی نہیں جا سکتیں۔ یہ معاملہ چونکہ کیفی ہے، حضرتؒ بھی سماع موتی کے قائل نہیں تھے۔ وہ کسی کام کی غرض سے لنگر مخدوم تشریف لے گئے، وہاں مولانا حضرت عبدالرحیمؒ تھے، اس سلسلے میں ان سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ اہلِ حدیث تھے۔ حضرت جیؒ کے جو براہِ راست شیخ ہیں وہ خود اہلِ حدیث تھے اور اہلِ حدیث بڑے Hard قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ دورانِ گفتگو سماع موتی پر بات ہوئی۔ علماء جہاں جاتے ہیں علمی باتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ سماعِ موتی کا موضوع آ گیا اور حضرتؒ اس پر دلائل دینے لگے کہ یہ ممکن نہیں ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو خواجہ حضرت عبدالرحیمؒ بھی اسی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے فرمایا ''بھئی ہماری تو سنتے بھی ہیں ہم سے بات بھی کرتے ہیں''۔ تو آپؒ بڑے حیران ہوئے کہ بزرگ ہیں اور اہل حدیث ہیں اور فرما رہے ہیں ہماری سنتے بھی ہیں ہم سے بات بھی کرتے ہیں اور یہ ایسے بندے نہیں جو غلط کہہ رہے ہوں۔ تب حضرتؒ کو تجسس ہوا اور فرمانے لگے کہ آپ کی سنتے ہیں تو پھر ہماری بھی سنوا دیجیے، آپ سے بات کرتے ہیں تو ہم سے بھی کروا دیجیے تو یہ سلسلہ بنا حضرتؒ کا حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر جانے کا اور سلسلہ میں آنے کا۔ بڑی خوبصورت نظم ہے حضرتؒ کی ایک فارسی کی۔ حضرت خواجہؒ جب حضرت جیؒ کو مزار پر لے گئے تو انہوں نے فرمایا، یہ پوچھ رہے ہیں کہ تم امتحاناً آئے ہو، تجربہ کرنے آئے ہو کہ سماعِ موتی ہے یا نہیں یا عقیدتاً آئے ہو تو اس کے جواب میں حضرت جیؒ

نے پوری نظم فارسی میں کہی، بہت خوبصورت نظم ہے۔ مجھے پتا نہیں حیاتِ جاوداں میں کسی نے دی ہے یا نہیں۔ میں نے پڑھی ہے پھر دوبارہ میری نظر سے نہیں گزری۔ مجھے یاد نہیں کس کتاب میں ہے، کہیں نہ کہیں ہے سہی۔ بہر حال وہاں سے معاملہ شروع ہوا۔ حضرتؒ نے ذکر شروع کیا اور پندرہ سولہ سال تک وہیں مقیم ہو گئے۔ روزی کمانے کے لیے جائز اور حلال ذرائع اختیار کرنا واجب ہیں۔ رزق حلال کمانا فرض ہے، اس کے لیے جائز کام کرنا ضروری ہے، واجب ہے۔ حضرتؒ کا پیشہ کاشتکاری تھا اور زمین مزارعوں کے پاس ہوتی تھی۔ فصل کا موسم آتا تو تشریف لے آتے۔ بٹائی لے کر، گھر کے اخراجات گھر والوں کو دے جاتے پھر واپس چلے جاتے۔ اور اس کے علاوہ باقی اوقات ذکر میں گزرتے۔ پہلے اگر تقریریں اور وعظ کیا کرتے تھے تو وہ بھی چھوڑ دیا خلوت نشین ہو گئے۔ پندرہ سے سولہ سال حضرتؒ وہاں مقیم رہے۔ فرماتے تھے ہم تہجد سے ذکر شروع کرتے، اشراق کے بعد ذکر کرتے، ظہر کے بعد کرتے، عصر کے بعد کرتے، مغرب کے بعد کرتے، عشاء کے بعد کرتے اور یوں شب و روز مجاہدے اور ذکر کی نذر ہو جاتے۔ وہاں ویرانہ تھا، درخت تھے، جھاڑیاں تھیں، کریے کی جھاڑیاں سخت تھیں اور ان میں بڑے بڑے سانپ ہوتے تھے۔ سولہ برس کی محنت کے بعد شیخ نے رخصت کیا کہ اب آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ شیخ کے مزار سے جب آپ واپس آئے تو آپ کے مراقبات سالک المجذوبی کی آخری منزل تک تھے۔

اتنے میں پاکستان بن گیا، ملک تقسیم ہو گیا۔ پاکستان جب بنا تو اس عہد کے جو لوگ تھے انہیں شاید یاد ہو۔ شیعہ حضرات اور اہلِ سنت میں بڑے مناظرے ہوتے تھے، بڑے بڑے علماء شیعہ کی طرف سے بھی تھے۔ اہلِ سنت کی طرف سے بھی قابل، اللہ کے نیک بندے، اہلِ علم موجود تھے۔ مولوی دوست محمد قریشی صاحبؒ، مولانا عبدالستار تونسوی صاحبؒ، حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت جیؒ، دو چار نام اور ہوں گے جو میرے ذہن میں نہیں۔ شیعہ سنی کے مناظرے اس موضوع پہ یوں تو بے شمار علما حضرات تھے اور وہ وقت اچھا تھا مناظرے ہوتے تھے، لڑائیاں نہیں ہوتی تھیں۔ دلائل سے باتیں ہوتی تھیں۔ جب دلائل نہیں ہوتے تو لاٹھی نکل آتی ہے۔ آج کل لوگوں کے پاس علم نہیں ہے، دلائل نہیں ہیں اس لیے بندوق سے بات کرتے ہیں۔ اس زمانے میں بات دلائل سے ہوتی تھی۔ عجیب بات تھی کہ مناظرے کے جج سامعین ہوتے تھے، اہل علم نہیں ہوتے تھے۔ دونوں طرف کے علما آ جاتے، شرائط طے ہوتیں، مناظرے کی شرائط ہوتی تھیں کہ وہ بات آپ نہیں کریں گے جس کا حوالہ موجود نہیں ہے، ہر کوئی اتنا ٹائم لے گا، اس طرح کی شرائط ہوتی تھیں، صدر ہوتا تھا بلکہ تین صدر ہوتے تھے، ایک صدر ایک جماعت کا، ایک صدر دوسری جماعت کا اور ایک ان دونوں کے اوپر ہوتا تھا۔ علما اپنے دلائل دیتے تھے، عوام سامعین ہوتے تھے پھر ہال بھرے ہوئے ہوتے تھے۔ سامعین جس کے حق میں فیصلہ دے دیتے وہ جیت گیا، لڑائیاں نہیں ہوتی تھیں۔ لیکن اس معاملے میں بھی حضرتؒ کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی۔

پھر بارگاہِ رسالت پناہی ﷺ سے ارشاد ہوا، براہِ راست نہیں۔ اللہ کریم جب حکم دیتے ہیں تو کسی ایک فرد کو نہیں، عمومی دیتے ہیں۔ بارگاہِ رسالت ﷺ سے بھی عمومی قاعدہ یہ ہے کہ جو بات ارشاد ہوتی ہے وہ عمومی انداز میں ہوتی ہے۔ اگر فردِ معین کو حکم دیا جائے تو معاملہ بہت نازک ہے۔ اس سے خرابی کوتاہی ہو تو وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ اللہ کا کرم ہے کہ جب حکم دیتا ہے، نماز کا حکم ہے تو کسی ایک فرد کا نام لے کر نہیں دیا عمومی حکم ہے۔ حکم ہے روزے کا، عبادات کا، حلال و حرام کا، تمام عبادات کا حکم عمومی ہے۔ اگر انفرادی ہو تو وہ آپ قضا نہیں کر سکتے۔ اسی طرح بارگاہِ رسالت ﷺ سے بھی ارشاد ہوتا ہے تو یہ کرم ہے اس بارگاہ کا کہ عمومی ارشاد ہوتا ہے۔

مجھے حضرتؒ کے الفاظ یاد ہیں۔ اللہ کرے صحیح یاد ہوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اس دین کی عمارت میں پتھر نہیں لگے، میرے صحابہؓ کی ہڈیاں لگی ہیں اور اس پر کوئی گارا مٹی نہیں لگا ان کا گوشت اور خون لگا ہے، آج لوگ ان پر دھول اڑاتے ہیں اور جاننے والے دامن بچا کر گھر بیٹھ جائیں اور میدان میں اس کا دفاع نہ کریں تو ان کے جاننے کا کیا فائدہ، ان کے علم کی کیا ضرورت ہے؟ تو

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سمجھ لیا، میں نے جو کنارہ کشی کی ہوئی ہے یہ درست نہیں۔ پھر آپ نے میدانِ تبلیغ میں قدم رکھا اور بڑے بڑے مناظرے کیے، بلکہ اس عہد میں شیعہ حضرات کی طرف سے مولوی اسماعیل صاحب ہوتے تھے، بہت فاضل آدمی تھے بہت وسیع المطالعہ آدمی تھے، بہت بڑی لائبریری تھی ان کی اور بہت تیز حافظہ تھا۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیعہ متقدمین کی مثال اگر کوئی ہے تو یہ مولوی اسماعیل ہے اور ہمارے بڑے بڑے علما کو دلائل سے بھگائے رکھتے تھے۔ دلائل سے پھر ان کا مقابلہ صرف حضرتؒ نے کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ عموماً جہاں حضرتؒ جی کو بلایا جاتا وہاں مولوی اسماعیل لاری چڑھ جاتے اس وقت کاروں کا تو زمانہ نہیں تھا، لاریاں ہوتی تھیں مجھے یاد ہے کہ بلکسر میں شیعہ حضرات نے مولوی اسماعیل کو بلایا۔ انہوں نے تین دن کا جلسہ رکھا ہوا تھا۔ اس وقت بلکسر میں اہلِ سنت کچھ کمزور قسم کے تھے۔ اب کا تو مجھے پتا نہیں، کبھی جانا نہیں ہوا۔ کچھ لوگ تھے، غریب تھے، قوم کے جولاہے تھے لیکن وہ مذہب کے اعتبار سے اہلِ سنت کے آگے آگے لگے ہوئے تھے، غریب بہت تھے۔ وہ حضرتؒ کی خدمت میں گئے کہ جی وہاں تین دن کا جلسہ ہوگا مولوی ہوں گے اس سے پہلے بلکسر میں مولوی اسماعیل اور حضرتؒ جی کا مناظرہ ہو چکا تھا اور مولوی اسماعیل چلتے مناظرے میں میدان چھوڑ کر چلے گئے تھے کہ میری طبیعت خراب ہوگئی ہے، مجھے تے آرہی ہے مجھے یہ ہو رہا ہے، بھاگ گئے۔ میں حاضر خدمت تھا، حضرتؒ نے فرمایا چلو بلکسر چلتے ہیں۔ بسوں کا زمانہ تھا پیسہ کم تھا، کرایے بھی پورے نہیں ہوتے تھے چنانچہ بلکسر حضرتؒ جی تشریف لائے، میں ساتھ تھا۔ وہ غریب آدمی تھے ایک کوٹھڑی سی حضرتؒ کو دی اس میں ساتھ ایک چارپائی وغیرہ بچھا دی، ساتھ ایک کوٹھڑی تھی وہاں پر میرا فرش پر ڈیرہ لگایا۔ حضرتؒ کے لیے کوئی دو چپاتیاں اور سالن بن جاتا۔ کچھ ایک دو لوگ اور آ گئے ہمارے لیے وہ ہوتا تھا جو گاؤں کے لوگ کوئی آدھی آدھی روٹی اور دال ساگ دے جاتے تھے۔ جلسہ ہوا، حضرتؒ نے فرمایا کہ شیعہ حضرات اپنے مولوی سے کہنا اس کا تین دن کا پروگرام ہے بھاگ نہ جائے جو اس نے کہا ہے اس کا جواب میں دوں گا لیکن کچھ سوالات میں بھی کروں گا وہ ان کا جواب دے کر جائے لیکن ہوا وہی، اسماعیل صاحب تو چلے گئے حضرتؒ نے تکلیف فرمائی ایک رات جاتے ہی وہاں رہے، ایک رات پھر درس کے بعد وہاں آگئی۔ یہ ٹرانسپورٹیشن Transportation آج کی طرح نہیں ہوتی تھی۔ تیسرے دن وہاں سے نکلے، دو تین بندے ہمیں اڈے پر چھوڑنے آئے، بلکسر کا اڈا کافی باہر تھا اور گاؤں اندر تھا۔ اب کا مجھے نہیں پتہ اب تو شاید گاؤں بڑھ کر اڈے سے باہر نکل گیا ہو تو۔ مجھے یاد ہے جب ہم بس میں بیٹھے تو انہوں نے دس دس کے دو نوٹ مجھے دیئے، ہمیں شاید چکوال جانا تھا پھر آگے کہیں اور اب مجھے پروگرام یاد نہیں۔ تیس چالیس سال پہلے کی بات ہے اب مجھے یاد نہیں۔ یہ مجھے یاد ہے کہ میں نے حضرتؒ سے شکایت کی کہ کمال ہے تین دن سے یہ ہمیں کھپا رہے ہیں، اتنا بڑا جلسہ اور اتنا سفر کیا آگے جانا ہے اور انہوں نے ہمیں بیس روپے دیئے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا شکر نہیں کرتے ہو ہم نے اپنا کام کیا ہے یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ ان کا ہم نے کچھ نہیں کیا انہوں نے ہمیں دال روٹی بھی دی، بستر چارپائی بھی دیا اور بیس روپے بھی دیئے۔ شکر کرو کرائے کے کام آئیں گے۔ کام تو ہم نے اپنا کیا یہ تو ہماری ذمہ داری ہے ان کا تو ہم نے کچھ نہیں کیا۔ یہ دین ہے۔

میں کروں، آپ کریں، صاحب مجاز کریں، اُمراء کریں یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ ان لوگوں پر احسان نہیں کر رہے کہ یہ ہمارا بوجھ اُٹھائیں۔ کیوں اُٹھائیں؟ یوں گزرتی رہی۔ اللہ کا مجھ پر یہ احسان ہے کہ اکثر اسفار میں حضرت جیؒ کے ہمرکاب ہوتا تھا اور مشکل حالات ہوتے تھے۔ باغ آزاد کشمیر میں جلسہ ہو رہا تھا محرم کے دن تھے، اہلِ سنت کا جلسہ تھا وہاں عالم یہ تھا کہ ایک جامع مسجد تھی اس زمانے میں تو شیعہ حضرات کا تعزیہ بھی اسی مسجد سے نکلتا تھا اور وہیں ان کی مجلس بھی ہوتی تھی اور اہلِ سنت بھی وہیں ہوتے تھے تو ان کا پیغام حضرتؒ جی کے پاس آیا۔ میں حاضر ہوا تو فرمایا، یار! باغ جانا ہے۔ باغ کہاں ہے؟ جی آزاد کشمیر میں ہے۔ علی الصبح ہم چکڑالہ سے

نکلے۔ جہاں اب مرشد آباد ہے اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی کچی سی مسجد ہوتی تھی۔ شاید وہاں انہوں نے چھوٹی سی کوٹھڑی تو بنائی ہے نشان کے طور پر۔ یہاں سے مزار کو آپ مڑتے ہیں تو سامنے ایک کوٹھڑی سی ہے۔ وہاں حضرتؒ اور میں نے فجر کی نماز باجماعت پڑھی اور اڈے پر آئے، پیدل آنا جانا ہوتا تھا، وہاں سے بس پکڑی، پنڈی اور پنڈی سے راجہ بازار اڈہ ہوتا تھا بسوں کا جو آزاد کشمیر جاتی تھیں وہاں سے بس پکڑی اور کہیں رات کو یا شام کو باغ پہنچے۔ اب حضرتؒ کا مزاج اپنا تھا ان لوگوں کا اپنا تھا تو حضرتؒ کی توسنیوں سے بھی ان بن ہوگئی۔ شیعہ تو ویسے ہی خلاف تھے۔ تو ایک ساتھی چکڑالہ میں پولیس میں وائرلیس آپریٹر ہوتے تھے۔ وہ پھر حضرتؒ جی کے حلقۂ ذکر میں آگئے اور ہمارے ساتھ ذکر کیا کرتے تھے۔ بھلے سے تھے، موٹے سے۔ ان کا تبادلہ وہاں باغ ہوا تھا وہ مل گئے تو اُن بلانے والوں کو چھوڑ کر میں اور حضرتؒ دونوں ان کے مکان پہ چلے گئے، جلسہ ہوتا رہا۔ انہوں نے علا بلائے ہوئے تھے پھر شہر کے لوگ جمع ہو کر حضرتؒ جی کے پاس گئے کہ آپ الگ ہوگئے ہیں تو آپ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ ہمیں بتائیں؟ چنانچہ پھر بہت بڑا جلسہ الگ حضرتؒ جی کا ہوا، بہت بڑا جلسہ ہوا۔ اب جو آنے جانے کا کرایہ دینا تھا وہ تو بلانے والوں نے دینا تھا اور وہ تو خفا ہو کر الگ ہوگئے۔ ہماری دال روٹی تو ہمارا وہ ساتھی کرتا رہا واپسی کا کرایہ ہمارے پاس نہیں تھا۔ پیسہ اس زمانے میں ہوتا نہیں تھا یا بہت کم ہوتا تھا تو حضرتؒ کے 'ایجاد مذہب شیعہ' اس طرح کے بہت سے چھوٹے چھوٹے پمفلٹ تھے جو میں جاتے ہوئے حضرتؒ کے دولت کدہ سے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ کوئی دو آنے کا، کوئی چار آنے کا، کوئی آٹھ آنے کا فروخت ہوتا رہا اس زمانے میں۔ تین چار دن رہے تو وہ بھی بکتے رہے، وہ سارے بک گئے اور ہمارا کرایہ بن گیا۔ بڑا جلسہ ہوا اس کے بعد شیعہ سنی اپنے اپنے گروہ میں الگ الگ ہوگئے۔ حضرت جیؒ کے جلسے سے بڑا فرق پڑا۔ وہاں سے واپس آئے، رات پنڈی ٹھہرے۔ مجھے یاد ہے کہ اس زمانے میں سکوٹر نیا نیا آیا تھا۔ حضرت جیؒ نے دیکھا تو کہا یہ کیا بلا ہے یار؟ میں نے کہا، یہ بھی نئی سواری آئی ہے موٹر سائیکل کی طرح کی ہے اور مجھے یہ بھی یاد ہے ہم شام کے قریب گزر رہے تھے۔ آزاد کشمیر سے پنڈی آرہے تھے تو جہاں اسلام آباد بنا ہے اس طرف حضرت جیؒ کی نگاہ گئی تو فرمانے لگے، یار! عجیب بات ہے! حضرتؒ کیا بات ہے؟ فرمایا، میں دیکھتا ہوں یہ جو ویرانہ سا ہے اس میں بے پناہ بندر اور بندریاں ہیں اور وہ بدکاری میں مشغول ہیں۔ تب اسلام آباد نہیں بنا تھا لوگ تھے، ویرانہ تھا اور جنگل تھا۔ اس وقت کے بعد وہاں دارالخلافہ بنا اور اب اس کی تعبیر سامنے ہے۔ تو رات ہم پنڈی میں ٹھہرے۔ عالم یہ تھا کہ کسی پر کرائے کا بوجھ بھی نہیں تھا اتنے پیسے نہیں ہوتے تھے کہ ہم راستے میں کھانا کھالیتے۔ وہاں سے چلتے ہوئے دو تین روٹیاں پکوا کر ساتھ رکھ لیتے۔ ہوٹلوں سے کھانے کے پیسے بھی نہیں ہوتے تھے اور حضرتؒ بازار کا کھانا پسند بھی نہیں فرماتے تھے۔ یہ سب عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نہ شیخ المکرم کا کسی پر بوجھ ہوتا تھا اور نہ میرا۔ حضرتؒ کا ارشاد تھا کہ کام ہماری ذمہ داری ہے، ہم اللہ کے لیے کرتے ہیں کسی پر احسان نہیں کرتے۔ ہمارا بوجھ اُٹھانا ان کی ذمہ داری نہیں ہے، اپنی ذمہ داری پہ اپنا بوجھ خود اُٹھائیں گے۔ وقت گزرتا رہا، کام چلتا رہا۔

1960ء میں پہلا اجتماع ہوا، میں اپنی ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے جنگل میں اپنے ڈیرے پہ رہتا تھا۔ جگہ ہوادار اور کھلی ہے اور پہاڑ کی چوٹی پر ہے تو حضرتؒ گرمیوں میں وہاں تشریف لے آتے، بڑا پسند تھا، گرمیوں میں ٹھنڈی جگہ مزیدار جگہ ہوتی، وہیں پہلا اجتماع ہوا۔ مجھے تعداد یاد ہے کہ پندرہ سولہ ساتھی تھے، پندرہ تھے یا سولہ تھے تشریف لائے تو پندرہ دن کا یہ اجتماع بھی تھا۔ وہیں ڈیرے پر اس کی ابتداء ہوئی پھر تریسٹھ 1963 میں، میں اسکول پڑھاتا تھا میرا ڈھلوال تبادلہ ہوگیا۔ 1963ء کا اجتماع بھی ڈھلوال میں ہوا۔ پھر میں چونسٹھ 1964 میں واپس نور پور آگیا۔ اگلا اجتماع نور پور ہوا۔ پھر میرا کول مائننگ (Coal Mining) کا بزنس شروع ہوگیا۔ اس سلسلے میں اسی (1980) میں منارہ ڈیرہ بنالیا۔ (1964ء) سے

(1980ء) تک سارے اجتماع منارے میں ہوئے۔ الحمدللہ ساٹھ سے لے کر اسی (1980) تک کسی اجتماع میں کوئی پیسہ، کوئی پائی، کوئی چیز کسی ساتھی سے نہیں لی۔ جو دال روٹی روکھا سوکھا ہوتا تھا یہ اللہ کا مجھ پہ احسان ہے کہ وہ میری ذمہ داری ہوتی تھی اور کوئی لنگر کا پیسہ نہیں لیا جاتا تھا، نہ کوئی دیتا تھا، نہ کوئی لیتا تھا۔ لینے کا کوئی Concept ہی نہیں تھا ذمہ داری دینے کی تھی کہ انہیں دین سکھایا جائے اللہ اللہ سکھائی جائے۔ شروع شروع میں پچیس تیس ساتھی ہوتے تھے، مجھے وہ دن بھی یاد ہیں کہ بڑے سے ٹوکرے کو روٹیوں سے بھر کر درمیان میں سالن کا دیگچہ یا جو بھی چیز ہوتی میں اکیلا سر پہ اُٹھا کے لے جاتا تھا۔ شاید اس زمانے کے کچھ ساتھی بھی ہوں جنہیں یاد ہو۔ (1970ء) میں پہلی گاڑی میں نے لی، امریکن فورڈ گاڑی تھی بڑی مزیدار۔ اس سے پہلے حضرت جیؒ کی رفاقت بسوں میں ہوتی تھی۔ جب گاڑی لی تو پھر ستر (1970) سے اسی (1980) تک ہر پروگرام میں اللہ کا مجھ پہ احسان ہے میری گاڑی ہوتی تھی۔ نہ کسی سے کوئی تیل کے پیسے لیے جاتے تھے نہ کسی سے اخراجات لیے جاتے تھے۔ خود اپنی کمائی سے پورے ہوتے تھے۔ اللہ کریم دیتے تھے۔ ستر کی دہائی کے آخری سالوں میں 78,79 میں پھر کچھ اور لوگوں کی گاڑیاں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ وہ زمانہ ایسا تھا 76-1975 میں تیرہ ہزار کی نئی کرولا آتی تھی۔ تو وقت گزرتا رہا۔ 80ء میں اجتماع یہاں آ گیا جب اجتماع یہاں آیا تو پھر یہاں ساتھیوں نے تجویز دی کہ ہر وقت کی حاضری لگائی جائے اور کھانے کے پیسے لیے جائیں۔ وہ بڑا ایک سسٹم سا بنا کر حضرتؒ کو پیش کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا یہ لنگر ہے اور اللہ کے نام پر ہے، ہوٹل نہیں ہے، آپ یہ اپنی تجویز رہنے دیں، لنگر اللہ چلائے گا، اللہ کے نام پر چلتا رہے گا، وہ رہنے دی گئی۔ تب سے اب تک کسی سے کوئی پیسہ نہیں لیا جاتا، ساتھی اپنی مرضی سے حصہ ڈالتے ہیں۔ کوئی فرق نہیں ہوتا ایک بندہ لاکھ روپیہ دے دیتا ہے لنگر کو اس کے لیے کوئی الگ کھانا نہیں پکتا اور ایک بندہ کچھ بھی نہیں دیتا تو اس کے لیے کوئی الگ نہیں پکتا۔ جو دیتا ہے وہ اللہ کو دیتا ہے اور الحمدللہ اسی سے اب تک پینتیس برس تو ہو گئے، خوش اسلوبی سے چل رہا ہے۔ جس کا اللہ قبول فرماتے ہیں وہ دے رہے ہیں جس کے پاس نہیں ہوتا اس کو بھی اللہ عطا کرے، لیکن یہاں کوئی نہیں پوچھتا کسی نے کیا دیا ہے، کسی نے نہیں دیا، کوئی فرق نہیں ہوتا۔

یہ سارا قصہ میں نے اس لیے عرض کیا ہے کہ میں یا کوئی امیر یا صاحب مجاز، یہ بہت بڑا انعام ہے اللہ کا کہ کسی کو توفیق دے دے اپنے نام کو پھیلانے کی، اپنے دین کا کام کرنے کی اور یہ تو بہت کمال ہے کہ لوگوں کے دل روشن کرنے کی توفیق دے دے۔ بہت بڑی بات ہے اب اتنے بڑے احسان کے بدلے میں اس سے چند روپے لے لیے جائیں یا دُنیوی مفاد پر نظر رکھی جائے کہ میں ذکر کرانے کے لیے مقرر ہوا، امیر ہوں مجھے وہ یہ تحفہ دے دے، فلاں چیز مجھے سستی دے دے، یہ میرا کرایہ بھرے، یہ مجھے پیسے دے دے تو پھر تف ہے ایسے آدمی پہ۔ اس نے جواہرات کو بھوسے کے عوض بیچ دیا۔ اللہ نے اسے ہیرے دیئے تھے، جواہرات دیئے تھے اس نے بھوسے کے عوض بیچ دیئے۔ پھر یہی نہیں کہ اسے دنیا میں خسارہ ہوگا، یہ تو دُنیوی خسارہ ہے ناں کہ بہت قیمتی چیز تھی بہت سستی بیچ دی، آخرت میں باز پرس اس سے زیادہ سخت ہوگی یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے انھیں اُجرت دی تھی جنہوں نے تمہیں اللہ اللہ سکھائی تھی؟ تم سے کسی نے فیس لی تھی؟ انہوں نے اپنا بوجھ تجھ پہ ڈالا تھا؟ تو نے اپنا بوجھ دوسروں پہ کیوں ڈالا؟

خوب اچھی طرح کان کھول کے سن لو جو توفیق ہے اپنی ہمت پر کر سکتے ہو کرو، جو نہیں کر سکتے نہ کرو۔ دوسروں پر بوجھ ڈالنے کا کسی کو کوئی حق نہیں۔ ہر بندہ اپنی روزی جائز حلال طریقے سے کھانے کا مکلف ہے، اپنے کمائے ہوئے سے خرچ کرنا سعادت ہے۔ اپنا بوجھ دوسرے پر ڈالو گے تو شاید بات بگڑ جائے گی۔ تمہارے پلے کچھ بھی نہیں رہے گا۔ دوسروں سے مفاد حاصل کرنا اس بناء پر کہ میں امیر ہوں، صاحب مجاز ہوں، میں شیخ ہوں یہ مجھے دیں، میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ ان پر واجب ہے کہ یہ مجھے پیسے دیا کریں، یہ ناجائز ہے۔ سفر میں

کہیں جاتے ہیں ساتھی، کوئی اپنی مرضی سے کرایہ خرچ کرتا ہے، کوئی کھانا دیتا ہے، یہ ان کی پسند پہ ہے۔ وہ خوشی سے کرتے ہیں جائز ہے درست ہے۔ آپ اگر شرط لگا دیں کہ اتنے پیسے لوں گا تو غلط ہو جائے گا، حرام ہو جائے گا۔ پھر ایک اور غلطی کا انداز ہوتا ہے بندہ شرط نہیں لگاتا، دل میں اُمید رکھتا ہے کہ اسے مجھے کچھ دینا چاہیے، اسے میرا کوئی کام کرنا چاہیے، اس سے مجھے کوئی مفاد ملنا چاہیے۔ فنِ تصوف میں جس پر اللہ کا احسان ہے اس پر دینا واجب ہے، لینا حرام ہے۔ دینا واجب ہے۔ جو اس کے پاس ہے اللہ کی امانت ہے دوسرے مسلمانوں تک پہنچانا اس پر واجب ہے، دوسروں سے دُنیوی مفاد لینا حرام ہے۔ لینا اللہ سے ہے، دینا مخلوق کو ہے۔ یہ اصول یاد رکھیں، ہم اس اُمید پر ایک پیشہ اختیار کر لیتے ہیں، دکان بنا لیتے ہیں کہ ساتھی خریدیں گے میرا کام ہو جائے گا اگر یہ ارادہ ہے تو وہ کاروبار ہی حرام ہے۔ ساتھی خریدیں نہ خریدیں کوئی اور خریدے جو خریدے جائز حلال کاروبار ہے لیکن اس ارادے پہ اس انداز سے کہ اس کا بوجھ ساتھی بانٹیں گے وہ حرام ہو جائے گا۔ بندہ ساری عمر لگا رہے، میں بھی تقریریں کرتا رہوں، بیان کرتا رہوں، لوگوں کو بتاؤں لوگوں کی اصلاح ہو، لوگوں کی ہو اپنی نہ ہو فائدہ کیا ہو گا جو بندہ خود غلط ہو اس کے الفاظ سے لوگوں کی اصلاح نہیں ہوتی۔ الفاظ لوگ بڑا انجوائے کرتے ہیں کہ بڑی تقریر تھی، بڑے لچھے دار تھی، محاورے بڑے خوب تھے، شعر بہت اچھے پڑھے لیکن ان کی عملی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لوگوں کی مدد اگر عملی زندگی میں ہوتی ہے تو اس فرد کی آواز سے ہوتی ہے جس کا بوجھ اللہ پر ہو جو اللہ سے لے لوگوں پر اس کا بوجھ نہ ہو اس کی بات دل تک جاتی ہے۔ یہ جو سلسلے ہوتے ہیں، تقریریں ہوتی ہیں، لوگ لاکھوں روپے لے کر آتے ہیں، ایئر ٹکٹ لے کر آتے ہیں، فائیو سٹار ہوٹلوں میں ٹھہرتے ہیں۔ ان سے لوگوں کے کردار میں کیا تبدیلی آئے گی؟ بس وہ وقتی طور پر ایک ہلہ گلہ ہوتا ہے، لوگ بھی سن سنا کر بکھر جاتے ہیں کہ بہت اچھی تقریر تھی، واہ واہ واہ واہ! کیا شعر پڑھا۔ پوچھو کہ کہا گیا تھا تو کہیں گے اچھی تقریر تھی، بس بات ختم ہو گئی۔ تو تبدیلی اس کے الفاظ سے ہوتی ہے جس بندے کا بوجھ بندوں پر نہ ہو۔ بندوں کا محتاج نہ ہو ان کے دینے کے انتظار میں نہ ہو، وہ لینے والا نہ ہو، لے اللہ سے، دے مخلوق کو۔ خاص طور پہ یہ یاد رکھ لیجیے کوئی ایسا پیشہ مت اپنایئے جس سے آپ کو یہ اُمید ہو کہ ساتھی اس میں پیسے دیں گے اور میں پیسے کما لوں گا، یہ حرام ہے۔

جو کام نہیں آتا وہ مت کیجیے جو آتا ہے وہ کیجیے۔ کوئی صاحب مجاز، کوئی امیر، کسی ساتھی پر بوجھ نہ بنے، دوسروں کے لیے سہولت کا سبب بنیں، دوسروں سے اُمیدیں وابستہ نہ کریں۔ وہ مجھے یہ دے دے گا، وہ مجھے یہ دے دے گا وہ مجھے یہ سہولت دے دے گا، یہ کام کر دے گا یہ ہرگز جائز نہیں۔ میں نے بڑے اچھے اچھے لوگوں کو اس میں بہت خراب ہوتے دیکھا ہے۔ عمریں لگا دیں ہمارے ساتھ لیکن جب ان چیزوں میں پھنسے تو تباہ ہو گئے۔ جب بات اس پر آ جائے کہ ساتھی مجھے کچھ دیں وہ میرے بیٹے کو ملازم کرا دیں، وہ مجھے کپڑے لے کر دیں وہ میرا کرایہ بھر دیں، وہ مجھے monthly پیسے دیا کریں تو بات خراب ہو جاتی ہے۔

کشف کی باتیں کی نہیں جاتیں اور کرنی بھی نہیں چاہئیں، یقینی نہیں ہوتیں بس ایک ایسی کیفیت ہے کہ جسے کشف ہوتا ہے اس کے لیے تو حجت ہے اس کے لیے بھی اتنی حجت ہے کہ اگر اس پر عمل نہیں کرے گا تو دنیوی نقصان کا اندیشہ ہے دین میں حرج نہیں اس بندے کے لیے جسے کشف ہوتا ہے۔ کشفاً کوئی چیز دیکھے اور وہ شرعاً جائز ہو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو اگر وہ بات جائز ہے اس پر عمل کرے دنیوی نقصان سے بچ جائے گا عمل نہیں کرے گا تو کوئی دنیوی نقصان ہو سکتا ہے دین میں کوئی حرج نہیں۔ اور دوسرا، اگر کسی کے کشف کو صحیح سمجھ کر اس پر عمل کرتا ہے تو ایسا ہی ہے جیسا اس نے اس کو نبی مان لیا، دونوں مارے جائیں گے۔ نبیؐ کا کشف اُمت کے لیے حجت ہے نبیؐ کا خواب بھی کشف ہے نبیؐ پر وحی بھی کشف ہے، نبیؐ کا کشف پوری اُمت کے لیے حجت ہے، نبیؐ کے بعد ہر فرد کا کشف صحابہ کرامؓ سے لے کر قیامت تک اس کے اپنے

لیے حجت ہے دوسرے کے لیے نہیں۔ نبیؑ اور غیر نبی میں یہ ہی فرق ہے کہ نبیؑ کا کشف ومجاہدہ اُمت پر حجت ہے۔ ولی کو جو کشف ہوتا ہے وہ اس کے اپنے لیے اس حد تک حجت ہے کہ عمل نہ کرے تو شاید دنیوی نقصان ہو عمل نہ کرے تو دین میں کوئی نقصان نہیں۔ نبیؑ کے کشف پر عمل نہ کرے تو دین برباد ہوجاتا ہے۔ نبیؑ کا کشف پوری اُمت پر حجت ہوتا ہے۔ یہ جو ساتھیوں میں وبا ہے ناں کہ فلاں صاحب کشف سے پوچھا تو اس نے یہ بتایا۔ مجھے بھی لکھتے ہیں کہ مجھے کشف والوں نے یہ بتایا۔ اگر آپ کشف والے پہ اعتبار کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے آپ نے اس کشف والے کو نبی مان لیا اب اس کا جواب قیامت کو آپ کیا دیں گے؟ یہ یاد رکھیں۔ اور کوئی صاحب کشف اس بات پر خوش نہ ہو کہ لوگ مجھے بڑا صاحب کشف جانتے ہیں اور میرے پاس مسائل پوچھنے آتے ہیں لوگوں کی تو عادت ہے۔

استخارہ ایک شرعی عمل ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کام ہے جو سامنے آگیا اس کے کرنے کے دو تین راستے ہیں، دو تین طرح سے وہ کام ہوسکتا ہے۔ بندہ سوچتا ہے کون سا طریقہ اختیار کروں تو حکم ہے استخارہ کرلو رات کو سونے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھو۔ اللہ سے دعا کرو کہ یا اللہ میری راہنمائی فرما۔ اسی وضو میں سو جاؤ، ہوسکتا ہے خواب میں اللہ راہنمائی فرما دے کہ اس طرح سے کرلو، کوئی اشارہ ہوجائے کوئی سمجھ آجائے، ایک رات نہیں آیا، دوسری رات کرلو تیسری رات کر کے دیکھ لو، اللہ چاہیں گے تو راہنمائی ہوجائے گی۔ جو جائز طریقے ہیں ان میں سے کوئی ایک اختیار کرلو۔ اب لوگوں نے وہاں سے اُٹھایا اب تو استخارہ بچوں کے نکاح اور شادیوں پہ آگیا۔ کرنے والے یہ کرتے ہیں کہ ایک بندہ پنسل کاپی کمپیوٹر لے کر ٹی وی پر بیٹھا ہے، آپ نے فون کیا اس نے کمپیوٹر پر دو انگلیاں ماریں تمہارا استخارہ یہ نکلا ہے۔ کہاں ہوئی بات کہاں لے آئے۔ بچوں کی شادیوں کے لیے حضور ﷺ کا فرمان یہ ہے کہ بہتر ہے معیار دیکھو، کفو دیکھو، خاندان دیکھو ایک Level کے لوگ ہونے چاہئیں، یہ بہتر ہے ورنہ ہر مسلمان مرد کا ہر مسلمان عورت سے نکاح جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ایک معیار ہو، ہم کفو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے میں جلد ایڈجسٹ ہوجائیں۔ اگر ایک شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہو ایک غریب زمیندار ہو، اب اس کی بیٹی شاہی خاندان میں ہوجاتی ہے اسے ان کے آداب کا پتہ نہیں۔ انہیں اس کے مزاج کا پتہ نہیں، وہ اپنے معیارِ زندگی کے مطابق عادی ہے اسے ایڈجسٹ ہونے میں مشکل ہوگی، اس لیے کفو کا حکم ہے کہ کفو دیکھو۔ دوسری بات یہ ہے کہ دین دیکھو اس شخص کے تعلقات اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کیسے ہیں؟ اگر وہ ان کی پروا نہیں کرتا تو آپ رشتہ داری کیوں کرتے ہیں آپ کی پروا کون کرے گا، جو بندہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی پروا نہیں کرتا وہ آپ کی کیوں کرے گا۔ تیسرا دنیوی حالات بھی دیکھو کہ کیا کاروبار ہے کس طرح کما کر کھاتے ہیں بچی کا بوجھ اُٹھالیں گے خرچہ وغیرہ۔ یہ سب دیکھ کر پھر اللہ پہ بھروسہ کرو انجام اس کے ہاتھ میں ہے۔ سادہ سی بات ہے۔ اب آپ چل پڑیں کسی نجومی سے پوچھنے، کسی صاحب کشف سے پوچھنے تو آپ کا جانا بھی غلط ہے اگر وہ بتائے تو اس کا بتانا بھی غلط ہے اس پر آپ عمل کریں تو عمل کرنا بھی حرام ہے جائز ہی نہیں ہے۔ کسی کشف پر آپ عمل کریں گویا آپ نے صاحبِ کشف کو نبی مان لیا وہ تو گیم ہی الگ ہے لہٰذا جو شرعی طریقہ ہے اس پر رہیں یہ چیزیں بیان نہیں کی جاتیں اور کرنی چاہیے بھی نہیں۔ دنیا میں ہم بڑے مقدس بنے رہتے ہیں، بات تب بنتی ہے جب بات قبر میں جاتی ہے، جب ہم برزخ میں جاتے ہیں۔

ہمارے ایک بہت اچھے ساتھی تھے ان کے بہت زیادہ مشاہدات تھے، بہت وسیع مکاشفات تھے۔ پشاور جارہے تھے، راستے میں نماز کا وقت ہوگیا۔ حضرتؒ کی عادت تھی کہ اول وقت نماز پڑھا کرتے سفر میں جاتے وقت بریک ہوجاتی۔ کوئی مسجد قریب ہوتی بہت اچھی بات ورنہ جنگل میں، سڑک کنارے جماعت ہوجاتی۔ مجھے کئی جگہیں یاد ہیں جہاں حضرتؒ کے ساتھ نماز باجماعت سڑک پر پڑھی، بیابان میں پڑھی۔ تو وہاں ایک مسجد تھی، مسجد میں ہم گئے، میرے پاس اسلحہ شروع سے ہی ہوتا تھا میں نے گلے سے پستول اُتار

کر، اس زمانے میں تو باعث فخر ہوتا تھا کہ کسی کے پاس پستول ہو۔ آج کی طرح کے نہیں تھے تو گلے میں پڑے ہوئے بڑے خوبصورت پٹے ہوتے تھے تو میں نے اسے واسکٹ کے نیچے سے اُتار کر ساتھی کو دے دیا کہ میں صبح سے لیے پھرتا ہوں تو آپ لیں۔ اس نے پہن لیا تو اس نے وہاں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد جب ہم گاڑی کی طرف جا رہے تھے تو وہ ساتھی حضرتؒ سے عرض کرنے لگا کہ حضرتؒ باقیوں کی نسبت فرشتوں نے میرا ثواب زیادہ لکھا ہے یہ جو باقی ساتھی ساتھ ہیں سب نے نماز مل کر پڑھی ہے لیکن جب میں نے دیکھا تو فرشتے جو لکھ رہے تھے انہوں نے میری نماز کو زیادہ درجہ دیا ہے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ آپ ﷺ نے مسلح بھی نماز پڑھی ہے تو تمہارے پاس اسلحہ تھا اس لیے تمہیں ثواب فالتو ملا ہے۔ تو اسلحہ میرا تھا میں نے اُتار کر اسے دیا لیکن پہن کر تو اس نے نماز پڑھی۔ اس پائے کا بندہ تھا۔ آخر عمر میں آ کر اسے یہ عادت ہو گئی کہ وہ اپنا بوجھ دوسروں پر ڈال دیتا، کوئی ساتھی میرا کرایہ بھرے، کوئی مجھے کپڑوں کا جوڑا دے، کوئی مجھے پیسے دے۔ وہ جب اس طرح گیا تو ہم سے بھی دُور ہو گیا، فوت ہو گیا باقی آگے کا اللہ بہتر جانے ہم نے نہ کبھی توجہ کی نہ کوشش کی نہ پتا چلا۔ کیونکہ قریب تھے، پچیس تیس سال اکٹھے رہے، دلچسپی تھی، قبر میں دفن ہو گیا تو خیال کیا ایک تعلق تھا انسیت تو تھی، تو مجھے سمجھ آ گئی کہ آگ کی تاروں کا جھولا بُنا ہوا ہے جیسے کوئی چیز بنی ہوئی ہوتی ہے اس میں لٹک رہا ہے۔ یہ کیا؟ تو مجھے سمجھ یہ آئی کہ یہ وہ اُمیدیں ہیں جو اس نے لوگوں سے وابستہ کی تھیں۔ یہ جو آگ کی رسیاں ہیں یہ وہ اُمیدیں ہیں جو اس نے لوگوں سے وابستہ کی تھیں اور تڑپ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اللہ کرے اس جھولے سے میری جان چھوٹ جائے آگے جو ہو گا بھگتوں گا۔ اللہ جانے کیا ہوا کب ہوا۔ یہ چیزیں بتائی نہیں جاتیں میری عادت ہے میں اس موضوع پر بات نہیں کرتا۔ ایک مثال عبرت کے لیے آپ کو بتا رہا ہوں۔ اس غلط فہمی میں نہ رہیے کہ میں بڑا پیر صاحب ہوں لوگ میری بڑی عزت کرتے ہیں، لوگ مجھ سے مشورہ بھی کرتے ہیں، لوگ مجھے پیسے بھی دیتے

ہیں۔ جو اُمید غیر اللہ سے وابستہ کی جائے وہ دوزخ کی آگ بنتی ہے۔

لوگوں کے معاملات میں بالکل دخل نہ دیں۔ مجھ سے بھی بڑے ساتھی پوچھتے ہیں یہ رشتہ کریں وہ کریں۔ بھئی آپ کی ذمہ داری ہے آپ کے بچے ہیں، آپ کا خاندان ہے آپ نے عمر گزارنی ہے میں نہ آپ کی ذاتیات سے واقف ہوں نہ اگلے کی ذاتیات سے واقف ہوں میں مشورہ کیا دوں؟ ہاں میں دعا کر سکتا ہوں، اللہ تمہیں بہتر فیصلہ کرنے کی توفیق دے، جو کرو اللہ اس پر بہتر نتائج عطا کرے۔ یہ میں کر سکتا ہوں اس سے آگے میرا کوئی دخل نہیں۔ اور آپ صاحب مجاز، آپ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ فلاں کا رشتہ فلاں کو دے دو، تم فلاں فلاں سے رشتہ کر لو، تم کیوں کرتے ہو ایسے، کیا حق ہے آپ کو؟ یہ ہر ایک کا ذاتی معاملہ ہے۔ قرآن نے، سنت نے کوئی فرض واجب نہیں کیا کہ فلاں فلاں کو رشتہ دے۔ اللہ نے والدین کو ان کی مرضی پر چھوڑا ہے، اللہ کے حبیب ﷺ نے چھوڑا ہے، دین نے چھوڑا ہے۔ کوئی امیر، کوئی صاحب مجاز یہ حق نہیں رکھتا کہ لوگوں کے رشتے کرائے اور اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر۔ آپ نے اللہ اللہ بتانا ہے، دین بتانا ہے اور کیفیات منتقل کرنی ہیں اور بات ختم۔ کیوں کرنی ہیں کیونکہ کسی نے آپ کو دی ہیں، امانت ہے اللہ کی آپ کے پاس، اگلے مسلمانوں کو پہنچانی ہیں جو نہ لینا چاہے آپ اس سے بری ہیں جو لینا چاہے اسے سکھائیں، یہ اللہ کا احسان ہے آپ پر اور آپ کا اس شاگرد پر یہ احسان ہے لیکن اس کا معاوضہ وہ دے گا جس کا یہ کام ہے۔ ہر نبیؑ نے کہا ہے "ان اجری الا علی اللہ۔" (ھود: 29) میرا معاوضہ مجھے میرا رب دے گا لوگوں سے انبیاءؑ نے معاوضہ نہیں لیا۔

تو مجازین امراء حضرات یہ اچھی طرح یاد کر لیں۔ جو ہو چکا، اس کی اللہ سے معافی مانگ لیں اس کی بارگاہ عظیم ہے، آئندہ کے لیے احتیاط کریں۔ لوگوں کا مزاج ایسا ہے، قرآن پر عمل کریں گے، نہ حدیث پر عمل کریں گے۔ خواب آ گیا او جی میں نے خواب دیکھ لیا۔ یار تم کون ہو، تم نے خواب میں کیا دیکھ لیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب حجت تھے اس کے بعد کسی کا خواب حجت نہیں ہے۔ خواب کے

پچیس خط مجھے بھی آتے ہیں، ای میل بھی آتے ہیں۔ میں نے خواب میں یہ دیکھا وہ دیکھا۔ بھئی تم نے کیا خواب دیکھا، کیا تمہارے خواب پر حکم مرتب ہوں گے، کیا تم صاحب شریعت ہو؟ خواب کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے اگر آپ نے اچھا خواب دیکھا آنکھ کھل گئی الحمدللہ! اللہ کا شکر ادا کرو اور سو جاؤ۔ خراب دیکھا ہے آنکھ کھل گئی لاحول پڑھو اور بائیں طرف تھوک دو، شیطان نے تمہیں یہ وہم ڈالا ہے، بات ختم ہوگئی بھول جاؤ۔ اب اس کو پکڑ کر بیٹھ جاؤ میں نے یہ خواب دیکھا میں نے وہ دیکھا۔ خواب خواب ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟ خواب میں کھانا کھالو اُٹھو تو کیا پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے؟ خواب میں بادشاہ بن جاؤ اُٹھو تو کیا بادشاہ بنا ہوتا ہے؟ خواب میں کوئی قیدی بن جائے اُٹھے تو کیا وہ جیل میں ہوتا ہے؟ تو خواب خواب ہے یار۔ کتنا خوبصورت اصول ہے دین کا کہ اچھا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرو، خراب ہے، ڈراؤنا ہے تو یہ شیطان نے ڈرایا ہے تمہیں لاحول پڑھ کر اس پر تھوک دو اور سو جاؤ، بھول جاؤ۔

سوال: اس بندے کا کیا بنا جو آگ کی جالی میں قید تھا؟

جواب: یہ تو بھئی اللہ جانے اور وہ جانے۔ وہ جس نے باندھا ہے وہی کھولے گا یہ تو معاملہ اللہ کا اور اس کے بندے کا ہے لیکن اللہ کا احسان ہے مجھے اُمید ہے جہاں تک اللہ نے مجھے بتایا ہے کچھ میرے خیال میں اس سے تو وہ چھوٹ گیا ہے الحمدللہ! اللہ کریم نے کسی کی دعا سن لی رحمت فرمائی تو جال سے تو چھوٹ گیا آپ بے فکر رہیں لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ سب چھوٹ جائیں گے اور کب چھوٹیں گے؟ کیسے چھوٹیں گے؟ تو اللہ کریم کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ کسی کے قلب کو اس کی روح کو ذاکر کر دے۔ دس کھرب سیل ہیں بدن میں سلطان الاذکار یا ساتواں لطیفہ نصیب ہو جائے تو دس کھرب سیل ذاکر ہو جاتے ہیں۔ دل ایک بار دھڑکتا ہے تو اللہ کے نام کی آواز دس کھرب بار آتی ہے لیکن اس نعمت کو قائم رکھنے کے لیے عظمتِ الٰہی کا قائل رہنا پڑتا ہے، اپنی بڑائی نہ آنی چاہیے۔ یہ جتنے کام ہم کرتے ہیں کہ اس سے پیسے لے لیے، وہ کرایہ بھر دے وہ گاڑی لے دے، یہ رشتہ فلاں کو دے دے۔ اپنی بڑائی آجاتی ہے اس میں۔ جب اپنی بڑائی آگئی تو یہ معاملہ بڑا نازک ہے پھر اللہ کریم برداشت نہیں فرماتے۔

اللہ اکبر لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ تیری عظمت تیری عظمت ہے۔ کوئی تیری عظمت میں جھانک بھی نہیں سکتا لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ کوئی لائق نہیں توقعات رکھنے کے۔ عبادات، عبادات کیا ہیں اس سے خیر کی توقع رکھنا اس سے لینے کی اُمید رکھنا، اس سے انعامات کا متمنی رہنا، کوئی نہیں ہے سوائے تیرے۔ ایک بات اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْن (الانبیاء) میں تو ہمیشہ سے خطا کار ہوں، میں تو شروع سے غلطیاں کرتا آرہا ہوں، ہاں تیری رحمت کا متمنی ہوں، تیری عطا کا اُمیدوار ہوں، تیری بخشش کا طلبگار ہوں، زندگی کیا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْن۔ میری حیثیت خطا کار کی ہے، گنہگار کی ہے، مجرم کی ہے تو بخشے تو تیری مہربانی، تو نہ بخشے تو میں تو بخشش کے لائق بھی نہیں ہوں۔ یہ ہے سارا تصوف۔ کوئی تقریر نہیں، بیان نہیں آپس کی بات ہے، دردِ دل کی بات ہے، ایک دوسرے کے بھلا چاہنے کی بات ہے۔ میں کسی کو طعن نہیں کر رہا کسی پر الزام نہیں لگا رہا، میں یہ چاہتا ہوں کہ میں بھی بچ کے گزر جاؤں، آپ بھی بچ کے گزر جائیں۔ مجھے یاد ہے میں چکڑالہ حاضر ہوا حضرتؒ نے کسی مروت بنوں یا اسی طرف کہیں تشریف لے جانا تھا دورے پر۔ کوئی فوجی ساتھی وہاں حضرتؒ کے پاس موجود تھے اور یہ بحث چھیڑ رکھی تھی کہ جانشین کون ہوگا اور کتنے ہوں گے اور کیا ہوگا تو مجھے بڑا دکھ ہوا اور بڑی حیرت ہوئی کہ یہ شیخ کو مارنا چاہتے ہیں اور حضرتؒ کے سامنے یہ اس طرح کی بحثیں کر رہے ہیں گویا حضرتؒ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں اور کون بنے گا اور کیا ہوگا۔ مجھے بڑی کوفت ہوئی، دکھ ہوا تو میں نے ساتھیوں سے کہا کہ میں اس دورے میں نہیں جاتا گاڑی لے جائیں میں بس پر واپس چلا جاؤں گا، لیکن وہ جو بحث کر رہے تھے مجھے ساتھ لے جانا چاہتے تھے تو ساتھ جانے والوں نے کہا کہ یہ یہاں بک بک کر رہے ہیں یہ یہاں رہ جائیں گے تم ضرور چلو۔ مجھے وہ بحث پسند نہیں تھی خیر ہم چل دیئے۔ میانوالی سے جب آگے نکلے،

میانوالی سے کالا باغ کو سڑک جاتی تھی اور وہ اس سے عیسیٰ خیل سے ملتی تھی تو راستے میں حضرتؒ نے سوال کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے، میں جماعت کس کے سپرد کر کے جاؤں؟ میں نے عرض کیا حضرتؒ پہلے تو مجھے یہ بات ہی پسند نہیں آئی کہ کوئی یہ بحث کیوں کرے۔ اللہ آپ کو اور عمر دے، صحت دے اور آپ کا سایہ ہمارے سروں پہ قائم رکھے، پہلی بات تو یہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت میں ایک کسان کا بیٹا، فوجی خاندان کا بندہ، جاہل ان پڑھ گنوار قسم کے ہم لوگ، ہماری خاندانی روایات لڑائی بھڑائی، مارکٹائی نہ آگا نہ پیچھا یا جیل میں یا مفرور یا گھر، کچھ اس طرح کے حالات۔ یا فوج میں چلے گئے تو وہ ہمیں راس آتی ہے۔ ہمارے مزاج کے مطابق ہے عالمی جنگوں میں مرتے رہے۔ میں آپ کے پاس حاضر ہوا تھا کہ ان سارے جھمیلوں سے بچ کر کوئی میری اصلاح ہو جائے مجھے کوئی صحیح راستہ مل جائے۔ الحمدللہ! آپ نے برداشت کیا ربع صدی آپ کی خدمت میں گزر گئی الحمدللہ! پچیس سال عمر کا حصہ ہوتا ہے، اصلاح ہوئی کہ نہ ہوئی یہ تو اللہ بہتر جانے لیکن میں آپ کے ساتھ جڑا رہا، چمٹا رہا اور ان شاء اللہ چمٹا رہوں گا، مجھے یہاں بہت مزہ آیا یہیں رہوں گا ان شاء اللہ۔ میرا نہ باپ گدی نشین، نہ دادا گدی نشین، نہ ہم پیر نہ ہم مولوی ہم ڈنڈے مار قسم کے لوگ ہیں نہ ہمارا کوئی علمی بیک گراؤنڈ ہے تو مجھے ان چیزوں سے شغف نہیں ہے۔ آپ جماعت کا جسے ذمہ دار صاحب مجاز یا امیر یا خلیفہ جو بھی کہیں جس کو بھی آپ مقرر کر دیں گے میرا رویہ اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا جیسا آپ کے ساتھ ہے۔ میں اس کی بھی خدمت کروں گا جیسی آپ کی کرتا ہوں، آپ کا قائم مقام سمجھ کر یہ میری ذمہ داری ہے اور یہ بھی میری درخواست ہے کہ آپ مہربانی کیجیے گا، میرے سر پہ ذمہ داری نہ ڈالیں کسی اور کو نامزد کر دیں۔ ا، ب، ج کسی کو کر دیں میرا اس میں کوئی نہیں کسی کو کر دیں مجھے وہ خادم پائے گا، بات ختم ہو گئی۔

اس کے کئی مہینے بعد لنگر مخدوم کا اجتماع ہوا اور حضرتؒ نے اپنی ساری ذمہ داری میرے سر ڈال دی اور وہ تقریر محفوظ ہے۔ بڑی عجیب بات ہے بڑے حضرتؒ کے مزار پر بیٹھ کر حضرتؒ نے فرمایا کہ مشائخ سامنے ہیں لیکن میں نے مشائخ سے بھی مشورہ نہیں کیا یہ میرا فیصلہ ہے۔ اب یہ اللہ کی مرضی، شیخ کا فیصلہ۔ اس بات کو پچیس چھبیس برس بیت گئے ہیں پوری کوشش دیانتداری سے کر رہا ہوں کہ میں نبھا سکوں، یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ میں کچھ کر سکا کہ نہیں کر سکا، کچھ ہوا کہ نہیں ہوا یہ اللہ بہتر جانتا ہے لیکن بظاہر اللہ کی طرف سے یہ اللہ کا احسان ہے، اطمینان ہے کہ اللہ کا شکر ہے مقدور بھر ایک دفعہ یہ پیغام روئے زمین پر پھیل گیا الحمدللہ۔

اللہ کا احسان ہے کہ قرآن کی تفسیر اسرار التنزیل کی صورت میں، ایک بار پھر پنجابی تفسیر کی صورت میں پھر اکرم التفاسیر کی صورت میں اور قرآن کے ترجمہ کی صورت میں، اللہ کریم نے توفیق دی۔ باوجود اپنی جہالت، بے علمی اور کچھ نہ جاننے کے بہت کچھ اللہ نے خدمت لے لی۔ یہ اس کا احسان ہے وہ قبول فرمائے۔ آگے کیا ہوگا؟ یہ اس کا کام ہے ہم آگے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ حضرتؒ کے ساتھ تین چار ساتھی ہوا کرتے تھے اس وقت وہی جماعت ہوتی تھی، مشاہدات بڑے اچھے تھے ایک ساتھی تھا گاؤں کا نمبردار بھی تھا، دنیادار بھی تھا اور حضرتؒ کے ساتھ ہمہ وقت تیار رہتا تھا مشاہدات اچھے تھے، فنا بقا تک مراقبات تھے۔ اسے لاہور جانا پڑا ہائی کورٹ میں کسی سلسلے میں، واپس آیا تو میں حضرتؒ کی خدمت میں موجود تھا۔ میرے سامنے اس نے بات کی کہ حضرت، لاہور مجھے ہائی کورٹ جانا پڑا، میں فارغ ہوا تو میں داتا صاحب کی خدمت میں چلا گیا، صاحب کشف تھا۔ حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ پر بڑی شفقت کی۔ میں نے آپ کا سلام بھی پہنچایا، وہاں لوگ کوئی روضے کی دیواروں کو چوم رہے تھے، کوئی قبر کو بوسے دے رہے تھے، کوئی سجدے کر رہے تھے۔ یہ بات اس نے میرے سامنے کہی۔ تو میں نے داتا صاحب سے عرض کی کہ حضرت آپ قبر میں مزے کر رہے ہیں اور یہ لوگ قبر کو سجدے کر رہے ہیں، دیواروں کے ساتھ ماتھے رگڑ رہے ہیں اور چوم رہے ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر 40 پر)

خوف خواص کا منشاء ذات ہے نہ کہ عقاب

قولہ تعالیٰ: وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ الانبیا:28

ترجمہ: اور سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔

''خَشْيَتِهٖ میں اگر ضمیر کا مضاف مقدر نہ کیا جائے جیسا کہ اصل ہے تو آیت اس خوف کی فضیلت پر دال ہے جو نفس عظمت حق سے ہو عذاب سے نہ ہو اور خواص کا خوف ایسا ہی ہوتا ہے۔''

فرماتے ہیں

یہ خشیت جو ہے یہ اللہ کے خاص بندوں کے لیے ہے اور اللہ کے بندوں کو جو ڈر ہوتا ہے وہ خشیت ہوتی ہے۔ خوف نہیں۔ ہیبت زدہ ہونے کو خوف کہتے ہیں تو فرمایا اللہ کے بندوں کی خشیت ایسے کاموں پر نہیں ہوتی جن پر عذاب کی وعید ہے بلکہ وہ غفلت سے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں سے اس لیے ڈرتے ہیں کہ کہیں بارگاہ الٰہی سے دوری نہ ہو جائے اور یہ ان کے حق میں کمال ہے۔

منصور جیسے حضرات کا عذر:

قولہ تعالیٰ: وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ الانبیا:29

ترجمہ: اور ان میں سے جو شخص یوں کہے کہ میں علاوہ خدائے معبود ہوں۔

بندہ ضعیف کہتا ہے کہ مِّنْ دُوْنِهٖ میں اشارہ ہے اس شخص کے عذر کی طرف جو منصورؒ کے کلام کی طرح ویسی ہی حالت میں تکلم کرتا ہو۔ کیونکہ منشا ایسے کلام کا فناء ہے جس میں وہ شجرہ موسوی کے ہے یہ نہیں کہ وہ ایسے کلام کا دعویٰ ایسی حالت میں کرتا ہے جس میں وہ دُوْنِهٖ کا مصداق ہو یعنی حق تعالیٰ سے تجاوز کر کے اپنے نفس کے لیے ایسا وجود ثابت کرتا ہے۔ وجود حق کے مبائن ہو بلکہ وہ شخص اپنے نفس سے وجود کی نفی ہی کرتا ہے۔ پس ایسے شخص کا 'انا' کہنا 'ہو' کہنے کے معنی میں ہے۔ (''پس انا الحق گویا بمعنی ھو الحق ہے'')

یہ بڑا عجیب سا مسئلہ حضرت نے یہاں چھیڑا ہے۔ کچھ تو معبودانِ باطلہ تھے جیسے فرعون خود کو خدا کہلواتا تھا اور وہ کہتا تھا اللہ کے علاوہ میں بھی اللہ ہوں۔ وہ تو سرے سے باطل ہو گیا کہ مخلوق لائقِ عبادت ہو ہی نہیں سکتی عبادت کا حق نہیں رکھ سکتی یہ کفر ہے یہ شرک ہے گستاخی ہے یہ کفر ہے۔ آگے کہتے ہیں صوفیاء میں بھی بعض صوفیوں کا یہ کلام پایا جاتا ہے جیسے ''سبحانی ما اعظم شانی'' میں پاک ہوں میری بہت بڑی شان ہے یا جیسے منصور نے ''انا الحق'' کہا تو اس کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ صوفی جو کہتے ہیں اس سے مراد یہ نہیں ہوتا کہ میں اللہ ہوں اس سے مراد ہوتا ہے ھو الحق کہ اللہ ہی ہے میں ہوں ہی نہیں۔ اپنے وجود کی نفی کرتے ہیں لیکن یہ بھی ایک خوبصورت تاویل تو ہے لیکن اصل حقیقت اس کے علاوہ کچھ اور ہے۔ سلوک میں آج کل تو ہم مجاہدہ نہیں کرتے متقدمین اور صوفیاء

بہت مجاہدہ کرتے تھے محنت بہت زیادہ کرتے تھے۔ ہمہ وقت ذکر و شغل میں رہتے تھے گناہ سے بچتے تھے برائی کی باتوں سے بچتے تھے بے حیائی سے بچتے تھے ہمہ وقت مصروف رہتے تھے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی کے لطائف ہیں تو لطائف میں ایک طاقت ہے مراقبات ثلاثہ بھی ہیں تو وہ صاحب کرامت ہے اور اس کی توجہ میں ایک قوت ہے تو اب یہ جو بے تحاشا منازل اور مراقبات ہم کراتے رہتے ہیں تو اس سے وہ طاقت وہ قوت، سلوک کا وہ مرتبہ وہ خشیت وہ اتباع یہ سب حاصل نہیں ہوتا۔ کیوں نہیں ہوتا؟ اس لیے کہ جو طالب ہیں ان کی طلب میں وہ گہرائی نہیں جو ان طالبوں کی طلب میں ہوتی تھی۔ ہم کراتے کیوں ہیں اللہ کو منظور ہے۔ ہم کراتے اس لیے ہیں کہ بندے کا اور کچھ بھی نہ ہو کم از کم اس کے عقیدے کی اصلاح ہو جائے اور بڑی حد تک اعمال کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے چونکہ عہد ایسا آ گیا ہے کہ اب وہ ورع و تقویٰ نہیں رہا۔ کھانے کو حلال نہیں ملتا، سچ کہیں ڈھونڈے نہیں ملتا، ہر بات میں جھوٹ اور جھوٹ اور بد دیانتی کو سیاست کا نام دے کر کمال کہہ دیا گیا ہے۔ یہ ایک بڑا کمال ہے کہ اس نے دوسرے کو بیوقوف بنا دیا اور اسے سیاست کا نام دے کر اس کی برائی کو ڈھانپ دیا۔ ملکی نظامِ معیشت ہی سودی ہے اور سود وہ حرام ہے جس پر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے اعلانِ جنگ فرمایا ہے۔ جرائم کی سخت سزائیں ہیں کسی کا ہاتھ کاٹ دو۔ بازو توڑا اس کا بازو توڑ دو۔ ادلے کا بدلہ ہے۔ قتل کیا ہے اسے قتل کر دو۔ زانی ہے اسے سنگسار کر دو بڑی سخت سزا ہے کہ پتھر مار مار کر قتل کر چھوڑو۔ سخت ترین سزا ہے لیکن سود کھانے والے کے لیے اللہ نے کوئی سزا مقرر نہیں کی فرمایا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۔ (البقرہ:279) سود کھانے والا اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ اعلانِ جنگ کئے ہوئے ہے۔ اب اس کا کیا انجام ہوتا ہے اللہ اس کا کیا حشر کرتا ہے۔ تو یہ ایسا عہد آ گیا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے ایسا زمانہ آئے گا کہ جو لوگ سود نہیں کھانا چاہتے ہوں گے ان کے حلق میں بھی سود کا غبار جائے گا۔ اب جو نہیں بھی کھانا چاہتا اس ملک میں مسلمان ریاست ہے مسلمانوں کی ریاست ہے لیکن نظام سودی ہے جو نہیں کھانا چاہتا اس کے پیسے میں بھی سود شامل ہو جاتا ہے۔ ہم سود نہیں لیتے الحمدللہ میں ۱۹۵۰ کے آخر سے ۱۹۶۰ کے شروع سے انکم ٹیکس ادا کر رہا ہوں اور تب سے پیسے بینک میں ہوتے ہیں اور اللہ کا احسان ہے ہم نے تب سے اب تک سود لیا نہیں لیکن میرے پاس یہ تو سند نہیں کہ میرا پیسہ بینک میں ہوتا ہے بینک والے آگے اسے سود پر استعمال نہیں کرتے۔ اب یہ تو میرے بس میں نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح ہے کہیں نہ کہیں سے سود کا غبار ایسے شخص کے حلق میں بھی پہنچتا ہے جو سود نہیں کھاتا تو اس حال میں کہ کھانا حرام ہو۔ جدھر جاؤ اخبار پڑھو جھوٹ لکھا ہے۔ ٹی وی سنو سارا دن جھوٹ بولتا ہے کسی سے ملنے جاؤ وہ جھوٹ بولتا ہے دکاندار کے پاس جاؤ جھوٹ بولتا ہے عدالت میں جاؤ سارا جھوٹ گواہ جھوٹے وکیل جھوٹے عدالت کیا کرے گی سارا دن بیٹھ کر جھوٹ لکھتے اور ٹائپ کرتے رہتے ہیں سارا جھوٹ ہوتا ہے تو صرف یہ دو جرم جو ہیں یہ ٹی وی کی بے حیائی ناچ گانا اور فحاشی اور عورتوں کا بے لباس ہونا یہ سارے معاملات ایک طرف اور یہ دو گناہ حرام کھانا اور جھوٹ بولنا تباہی کے لیے کافی ہیں۔ یہود پر جب تباہی آئی تو اللہ کریم نے جو فردِ جرم لگائی وہ دو گناہ تھے سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (المائدہ:42) حرام کھاتے ہیں اور جھوٹ سنتے ہیں۔ جھوٹ بولتے نہیں ہیں سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ جھوٹ سنتے ہیں یعنی جھوٹ سنتے رہنا بھی اتنا بڑا جرم ہے کہ دل سیاہ کر دیتا ہے۔ عذاب الٰہی کو مقتضی ہے۔ تو اگر اس کے ساتھ کچھ اللہ اللہ نصیب ہو جائے تو الحمدللہ آگ پر کچھ پانی پڑ جاتا ہے کم از کم عقائد کی اصلاح ہو جاتی ہے کچھ فکرِ آخرت ہو جاتی

ہے بڑی حد تک کوئی بڑا ہی بدنصیب ہوگا ورنہ اعمال کی اصلاح ہو جاتی ہے تو اس لیے ہم محنت کراتے رہتے ہیں ذکر اذکار میں ورنہ وہ بات جو ذکر کی وجہ سے کرامات نصیب ہوتی تھیں اب وہ ناپید ہیں۔ تو ان سلاسل میں دوران سفر اگر کسی صوفی کے مراقبات ایک جگہ رک جائے تو اس کا مجاہدہ تو وہی رہتا تھا محنت تو وہی کرتے تھے حلال کھاتے تھے سچ بولتے تھے رات رات بھر دن دن بھر ذکر کرتے تھے تو اگر تو کوئی شیخ مل جاتا وہ آگے چلا دیتا تو پھر وہ چیزیں ضبط ہوتی رہتیں قابل برداشت ہوجاتیں کسی ایک مقام پر مراقبات رک گئے تو پھر وہ اس قدر غلبہ انوارات کا ہوتا کہ پھر ان کا دماغ ساتھ چھوڑ جاتا اور انہیں کو مجذوب کہتے ہیں۔ مجذوب سالک وہ ہوتا ہے جو سلوک سیکھ رہا ہے لیکن کسی ایک مقام پر اور عموماً اگر کسی ایک کا زیادہ دماغ خراب ہوا تو فناء بقاء میں ہوا۔ یہ مراقبات ہی ایسے ہیں کہ کائنات فناء ہوتی نظر آتی ہے اور ہر چیز اللہ کے نام سے باقی نظر آتی ہے تو ایک نور نظر آتا ہے کہ ہر چیز کے ساتھ ایک تارگی ہوئی ہے جو اس میں زندگی حرکت پیدا کر رہی ہے تو وہیں کھڑے کھڑے دماغ شل ہو جاتا ہے تو پھر وہ سمجھتے ہیں کہ میں بھی فناء میں گیا باقی صرف اللہ ہے اگر میرا وجود ہے تو یہ بھی اللہ ہی باقی ہے میں نہیں ہوں۔ تو یہ اس وجہ سے ہوتا ہے وہاں بھی اگر اسے کوئی کامل شیخ مل جائے اور اگلے مراقبے میں چلا دے تو وہ بچ سکتا ہے تو یہ مجذوب جو ہوتا ہے چونکہ اس کی عقل ماؤف ہوجاتی ہے تو وہ شریعت کا مکلف نہیں رہتا۔ شرعی تکلیف کے لیے عقل کی سلامتی ضروری ہے۔ پاگل پر شرعی احکام نافذ نہیں ہوتے۔ اس لیے انہیں یہ رعایت دی جاتی ہے کہ انہیں نہ کوئی برا کہے نہ بھلا کہے ان کے حال پر چھوڑ دیں وہ جانیں ان کا رب جانے۔

قبض میں حکمتوں کا ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ الانبیا:35

ترجمہ: اور ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں۔

''اس میں ہر ناگوار اور مرغوب امر آگیا۔ تو اس میں قبض بھی داخل ہوگیا۔ پس آیت اس پر دال ہوئی کہ قبض میں حکمتیں اور اسرار ہوتے ہیں اور اسی سے اہل طریق تسلی لیتے ہیں اور دیتے ہیں۔''

فرماتے ہیں اللہ کریم فرماتے ہیں ہم آپ کو اچھی بری حالتوں میں آزماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں اس بات میں یہ دلیل ہے کہ اگر کسی پر تکلیف بھی آتی ہے تو وہ من جانب اللہ ہے۔ مومن کے لیے آزمائش ہے کہ کیا تکلیف میں بھی اللہ ہی کو یاد کرتا ہے یا اللہ کا دروازہ چھوڑ کر غیر اللہ کی طرف بھاگ جاتا ہے اور اگر آسانی آتی ہے تو اس میں بھی آزمائش ہے کہ آسودہ حال ہو کر اطاعت پر قائم رہتا ہے یا بغاوت کر جاتا ہے۔ تو دکھ سکھ صحت بیماری چیزوں کا پسند ہونا ناپسند ہونا یہ زندگی کا ایک نظام ہے۔ جو اللہ کریم نے بنایا ہے اور یہ سب آزمائش ہے اور اس میں دیکھا صرف یہ جاتا ہے کہ بندہ ہر حال میں اللہ کی رضا پہ راضی رہتا ہے۔ یا تکلیف میں غیر اللہ کی طرف دوڑ جاتا ہے یا سہولت اور آرام میں اللہ کی عظمت کو بھول جاتا ہے۔

اہل اللہ کی استخفاف پر تشنیع:

قولہ تعالیٰ: وَإِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ إِلَّا هُزُوًا ؕ الانبیا:36

ترجمہ: اور یہ کافر لوگ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے ہنسی کرنے لگتے ہیں۔

''اس میں اس پر تشنیع ہے جو اہل اللہ کی بے قدری کرتے ہیں۔''

فرماتے ہیں اللہ کریم نے کفار کا ایک بہت بڑا جرم بیان فرمایا ہے کہ جب ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی تھی حضور ﷺ کے ارشادات عالیہ کا جواب دینے کے لیے تو پھر حضور ﷺ کا مذاق اڑاتے پھبتیاں کستے۔ یہ انسانی مزاج ہے کوئی بات کرے اور مخاطب کے پاس دلیل ہو تو وہ دلیل سے جواب دیتا ہے اور اگر اس کے پاس دلیل نہ ہو تو لڑائی پر اتر آتا ہے، گالی گلوچ پر اتر آتا ہے، طعنے دینے لگے جاتا ہے۔ کفار جب بے دلیل ہو جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے یا اس طرح کی باتیں کرتے تو حضرت فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ اہل اللہ سے اگر کوئی فائدہ نہیں حاصل کرتا تو ان کی گستاخی نہ کرے مذاق نہ اڑائے تو ان کی عظمت کا خیال رکھے۔

سلوک میں عجلت کا ضرر:

قولہ تعالیٰ: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ الانبیا:37

ترجمہ: انسان جلدی ہی کا بنا ہوا ہے عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے دیتے ہیں پس تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ۔

''چونکہ اس میں استعجال پر انکار ہے تو اس سے مطلقاً اس کے ترک کرنے کا امر بھی لازم آیا جس میں سلوک بھی داخل ہو گیا اور تجربہ سے ثابت ہے کہ طریق میں زیادہ تر حصہ تشویشات کا عجلت سے ہے۔''

عجلت کہتے ہیں جلد بازی کو جلد بازی سے منع فرمایا ہے۔ انسانی مزاج ہے۔ دعا مانگتا ہے تو کہتا ہے اسی لمحے پوری ہو جائے۔ کوئی خواہش ہوتی ہے تو اسباب کے پورے ہونے کا انتظار نہیں کرتا اس کا ارادہ ہوتا ہے کہ میں جو چاہتا ہوں ابھی ہو جائے۔ تو اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ جلدی مت مچاؤ یعنی اللہ کریم کی طرف سے فیصلے کا انتظار کرو اپنا فیصلہ مسلط کرنے کی کوشش نہ کرو۔ تو فرماتے ہیں یہی سالک کے لیے بھی راہنمائی ہے کہ اس کا کام ہے مجاہدہ کرنا اس جلدی میں نہ رہے کہ مجھے فلاں مرتبہ دے دو فلاں مقام دے دو فلاں مراقبہ کرا دو مجھے صاحب مجاز بنا دو مجھے خلیفہ بنا دو۔ یہ جلد بازی نہ کرے جو نعمت اس کے حصے میں آئی ہے اللہ کریم نے مقرر فرمائی ہے اس کا وقت بھی مقرر ہو گا۔ جب وہ وقت آئے گا تو وہ مل جائے گی یعنی اللہ کے جو فیصلے ہیں ان میں جلدی نہ مچائے اپنے کردار پر نظر رکھے کہ اپنی محنت اپنا مجاہدہ اپنی توجہ اپنی طلب اس کو زندہ رکھے۔ جو اس کے ذمے ہے وہ کرے جو اللہ کی طرف سے ہونا ہے یا جو شیخ کی ذمہ داری ہے یا جو دوسروں کی ذمہ داری ہے اس پر جلدی نہ مچائے۔

دعائے مغفرت

1- اسلام آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ذوالقرنین کی والدہ محترمہ

2- ملتان سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی رانا محمد سلیم کے والد محترم

3- لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حیدر علی کے والد محترم

4- کراچی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد عبداللہ

5- لاہور سے سلسلہ عالیہ کی ساتھی بیگم ظفر اللہ کی والدہ محترمہ

وفات پا گئے ہیں، دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اکرم التفاسیر

سورۃ النمل آیات: 83 تا 93

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ٥ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ
الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ
اور جس روز ہم ہر اُمت میں سے اُس گروہ کو جمع فرمائیں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا
بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ (83) حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ
کرتے تھے پھر اُن کی گروہ بندی کی جائے گی۔ یہاں تک کہ جب سب آجائیں گے
اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا
تو اللہ فرمائیں گے کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا تھا اور تم اُن کو اپنی احاطہ علم میں ہی نہیں لائے۔
ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (84) وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ
بھلا تم کیا کرتے تھے؟ اور اُن کے ظلم کے سبب اُن کے حق میں
بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ (85) اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا
(عذاب کا) وعدہ پورا ہو کر رہا۔ سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ
جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۔
ہم نے رات کو بنایا ہے تاکہ اُس میں آرام کریں اور دن کو روشن (کہ اس میں کام کریں)
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (86) وَيَوْمَ
بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور جس دن
يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
صور پھونکا جائے گا تو جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں گھبرا جائیں گے
وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ط وَكُلٌّ
مگر جس کو اللہ چاہے (وہ محفوظ رہے گا) اور سب اُس کے پاس عاجز
اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ (87) وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا
ہو کر چلے آئیں گے۔ اور تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو اُن کو خیال کرتے ہو کہ (اپنی جگہ پر)
جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ط صُنْعَ اللّٰهِ
جمے ہوئے ہیں اور (اُس دن) وہ بادلوں کی طرح اُڑتے پھریں گے (یہ) اللہ کی کاریگری ہے
الَّذِيْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ط اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا
جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے بے شک وہ تمہارے کاموں سے
تَفْعَلُوْنَ (88) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ
باخبر ہیں۔ جو شخص نیکی لے کر آئے تو اُس کے لیے اس سے بہتر
مِّنْهَا ج وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ (89) وَمَنْ
(بدلہ ہے) اور ایسے لوگ اُس دن گھبراہٹ سے امن دیئے جائیں گے۔ اور جو شخص
جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ط
برائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے
هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (90) اِنَّمَاۤ
تم کو اُنہی اعمال کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے رہے ہو۔ (فرما دیجیے)
اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ
بے شک مجھ کو یہی ارشاد ہوا ہے کہ اس شہر (مکہ مکرمہ) کے پروردگار کی عبادت کروں جس نے
حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ز وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ
اس کو محترم (مقام ادب) بنایا ہے اور ہر چیز اُسی کی ہے اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں (اس کا)
مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (91) وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ج فَمَنِ
فرمانبردار رہوں۔ اور یہ (بھی) کہ میں قرآن پڑھا کروں تو جو شخص راہِ ہدایت اختیار
اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ ضَلَّ
کرتا ہے سو وہ اپنے ہی فائدے کے لیے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ رہتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا
فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (92) وَقُلِ الْحَمْدُ

ہے) تو فرما دیجیے کہ بے شک میں تو صرف (انجام بد) سے ڈرانے والا ہوں۔ اور فرما دیجیے کہ

لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ

سب خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا پھر تم ان کو پہچان لو گے۔ اور آپ کا

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔

پروردگار ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم سب لوگ کر رہے ہو۔

فرمایا: وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ۔

ایک دن آئے گا، روزِ قیامت آئے گا، ہر ہر قوم سے ہر ہر طبقے سے ہم اُن لوگوں کو گروہ در گروہ نکالیں گے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے پھر اُن کی الگ الگ گروہ بندی کر دیں گے۔ کس نے دل کی کتنی گہرائی سے دین کی مخالفت کی، دین کو مٹانے کی کوشش کی، کس کے کتنے کتنے جرائم ہیں۔ اُن کے دل کی گہرائیوں میں جو کیفیات تھیں اُس کے مطابق ان کو الگ الگ کر کے گروہ بنا دیے جائیں گے۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (84) اُن سے پوچھا جائے گا تم وہ لوگ ہو جو میری آیات کو جھٹلاتے تھے؟ تمہاری یہ جرأت! تم ایک ادنیٰ سی مخلوق ہو اور کلامِ باری کا انکار کرتے تھے؟ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا... تم نے اُن کو اپنے احاطۂ علم میں لانے کی کوشش نہیں کی تم نے اُن پر سوچا ہی نہیں، سمجھا ہی نہیں؟ یوں تو تم ہر چیز کی اچھائی برائی جانتے تھے۔ دنیا میں غذا، دوا، جوتی، کپڑا ہر چیز کو اپنے علم کے معیار پر رکھتے تھے کہ یہ اچھی ہے یا نہیں لیکن میرے کلام کو سمجھنے کا تم نے تکلف ہی نہیں کیا کہ اس میں کیا کیا خوبیاں ہیں؟ تم نے سیدھا انکار کر دیا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (84) تمہاری کیا جرأت تھی، تم کرتے کیا رہے؟ تم ہو کون بھلا، تمہاری حیثیت کیا ہے؟ کیا کرتے رہے ہو تم؟ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ۔ (85) انہوں نے ظلم کیے، زیادتیاں کیں، اُن کی وجہ سے اُن کی سزا کا فیصلہ ہو جائے گا وَوَقَعَ الْقَوْلُ اُن پر فیصلہ صادر کر دیا جائے گا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ۔ لیکن وہ ہوں ہاں نہیں کر سکیں گے، بولنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے، عذر معذرت میں بھی کچھ نہیں کہہ سکیں گے، جرم ہی اتنا بڑا ہے۔ فرمایا: پھر نہیں بول سکیں گے، سزا مسلط کر دی جائے گی۔

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (86) کیا تم اندھے تھے، تم کہتے تھے موت کے بعد حیات ممکن نہیں ہے تو کیا تم سو نہیں جاتے تھے راتوں کو؟ کیا نیند موت ہی کی ایک قسم نہیں ہے؟ بھوک پیاس، دکھ درد ہر چیز سے بے خبر ہو کر بندہ جب سو جاتا ہے تو اسے کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ کہاں ہے۔ اللہ بیدار کر دیتے ہیں تو پھر اُٹھ کے کام میں مشغول ہو جاتا ہے، راتوں کو گم ہو جاتا ہے، سو جاتا ہے، صبح ہوتی ہے تازہ دم ہو کے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے تو جو ہر روز، ہر لمحے تمہیں نیند اور بیداری دیتا ہے وہ دائمی موت سے بھی حیات دے سکتا ہے۔ یہ واقعہ تو تمہارے ساتھ روز ہوتا ہے۔ جو نیند کے بعد بیداری دے سکتا ہے وہ موت کے بعد حیات بھی دے سکتا ہے، وہ قادر ہے۔

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (86) جن کو ایمان نصیب ہو ان کے لیے بھی ان میں بڑے دلائل ہیں۔ دلائل کو سمجھنے کے لیے ایمان کی ضرورت ہے، ایمان ہی نہیں ہوگا تو بات کی سمجھ کیا آئے گی؟ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ... قیامت قائم ہوگی، زمین و آسمانوں کی مخلوقات کو ہوش نہیں رہے گا۔ قیامت کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے۔ ارض و سماء کی مخلوق بے ہوش ہو جائے گی سوائے اُن کے جنہیں اللہ محفوظ رکھے یعنی اُس حادثے میں اللہ کے ایسے بندے ہوں گے کہ کائنات پہ قیامت بیت جائے گی، ارض و سماء کی ساری مخلوق بے ہوش ہو کر گر جائے گی تو ایسے اللہ کے بندے بھی ہوں گے جنہیں محسوس ہی نہیں ہوگا کہ قیامت قائم ہوئی ہے یا نہیں ہوئی یہ اپنے مزے میں بیٹھے ہوں گے۔ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ سوائے

اُن لوگوں کے جنہیں اللہ محفوظ رکھے۔ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دَاخِرِيْنَ (87)
اور قیامت کو کوئی بھاگ نہیں سکے گا، مجبور و بےبس ساری مخلوق اُس کی
بارگاہ میں چلی جائے گی۔ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ چلو مشکل آ گئی تو بندہ
وہاں سے بھاگ کر تو جان بچالے۔ فرمایا: قیامت کو کوئی بھاگ نہیں
پائے گا، مجبور اور بےبس عاجزی کے ساتھ اُس کی بارگاہ میں حاضر
ہو جائیں گے اور وہ معمولی حادثہ نہیں ہوگا۔ ایک مکان کوئی اُڑا دیتا
ہے دھماکے سے تو سارا شہر لرز اُٹھتا ہے، قیامت تو عظیم حادثہ ہوگا۔
وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ
(89) یہ بڑے بڑے ہمالہ جیسے پہاڑ کھڑے ہیں جنہیں تم سمجھتے ہو کہ
بہت مضبوط ہیں، قیامت کا حادثہ جب ہوگا تو یہ فضا میں روئی کے
گالوں اور بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہوں گے۔ جس طرح بادل
دھواں بن کر اُڑتا ہے اسی طرح ان کی خاک کے ذرات بھی باریک
سے باریک تر ہو جائیں گے اور یہ دھوئیں کی طرح فضا میں اُڑ رہے
ہوں گے۔ جب اتنا بڑا دھماکہ ہوگا کہ جس سے بڑے بڑے پہاڑ اُڑ
جائیں گے، دریا اور سمندر خشک ہو جائیں گے تو اُس میں ایک انسان
کی حیثیت کیا ہے، اُس کا حال کیا ہوگا، اُس پر کیا کیفیت وارد ہوگی؟
صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا
تَفْعَلُوْنَ (88) یہ سب کاری گری اس کی ہے جس نے ہر چیز کو قرار
بخشا ہے، ایک وجود بخشا ہے اُس پر پہاڑوں کو بھی اُس نے جما دیا
ہے۔ یہ بڑے طاقت ور ہیں، بڑے مضبوط ہیں، ٹھوس چٹانیں ہیں
لیکن جب وہ برباد کرنا چاہے گا تو ان کی اتنی دھول بن جائے گی کہ یہ
دھوئیں کی طرح فضا میں بکھر جائیں گے۔ یعنی چٹانیں اتنے باریک
ذرات میں تبدیل ہوں گی کہ پہاڑ دھواں بن کر اُڑ جائیں گے اور یہ
اللہ کی صنعت ہے کہ اُس نے چیزوں کو "قرار" دے دیا۔ درخت کے
پتے درخت کے ساتھ مضبوطی سے جڑے رہتے ہیں لیکن جب اللہ
چاہتا ہے درخت سے الگ ہو جاتے ہیں، گر جاتے ہیں، سوکھ جاتے
ہیں، جل جاتے ہیں۔ مضبوط درخت کھڑا ہے جب اللہ چاہتا ہے،
سوکھ جاتا ہے، گر جاتا ہے، ٹوٹ جاتا ہے۔ بڑا بڑا پہاڑ کھڑا ہے تو اس
کو مضبوطی اللہ نے دے رکھی ہے تو کھڑا ہے۔ جب اللہ چاہے گا تو
ریزہ ریزہ ہو کے فضا میں بکھر جائے گا۔ ذرا اُس وقت سوچو کہ اللہ
کے نافرمانوں کا کیا حال ہوگا۔ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ (88)
اور یہ یاد رکھو کہ اللہ تمہارے ہر فعل کی خبر رکھتا ہے۔ اپنے کردار کو جانچو
کہ اس قیامت کے دھماکے میں تم کہاں ہو گے کیونکہ اللہ کو تمہارے
اعمال کی ذرا ذرا خبر ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ
يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ (89) اور جو اللہ کے پاس نیکی لے کر آئے گا۔
حسنہ کیا ہے، نیکی کیا ہے؟ ہر بات، ہر کام، ہر سوچ جو آپ ﷺ کے
حکم کے مطابق ہے وہ نیکی ہے۔ ہر وہ سوچ ہر وہ بات، ہر وہ کام جو
حضور ﷺ کے حکم کے خلاف ہے برائی ہے۔ سادہ سی بات ہے۔
فرمایا: جو نیکی لے کر آئے گا فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا... میں اُسے اُس کی
حیثیت سے زیادہ انعام دوں گا یعنی ہر نیکی کا انعام جتنی اُس کی قیمت
ہے اس سے کئی گنا زیادہ ہوگا۔ بندے نے عمل کیا اپنی حیثیت کے
مطابق، فرمایا میں انعام دوں گا اپنی شان کے مطابق۔ کوئی تعداد نہیں
بتائی، کوئی گنتی نہیں بتائی یہ بتایا کہ بندے نے جو سجدہ کیا اُس نے
اپنی حیثیت، اپنی سوچ، اپنی فکر، اپنے دردِ دل کے مطابق کیا۔ جو میں
دوں گا میں اپنی شان کے مطابق دوں گا لہٰذا ہر نیکی کئی گنا زیادہ انعام
پائے گی۔

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ (89) کہ یہ بہت بڑا
حادثہ ہوگا اور شدید گھبراہٹ کا دن ہوگا، بہت تباہی مچے گی لیکن جن
لوگوں کے دامن میں نیکیاں ہوں گی وہ اس سے محفوظ ہوں گے انہیں
کوئی فرق نہیں پڑے گا، وہ مزے سے بیٹھے ہوں گے۔ وَمَنْ جَآءَ
بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ اور جو برائیاں لے کر
آئیں گے انہیں اوندھے منہ دوزخ میں ڈالا جائے گا کہ ساری زندگی
تم اُلٹے چلتے رہے اب ذرا اُلٹے رہ کر ہی انجوائے کرو۔ دوزخ کی
آگ میں مونہوں کے بل یعنی اوندھے منہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔
هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (90) انہیں کہا جائے گا جو

تم کرتے تھے تمہیں وہی ملنا ہے یعنی بدی کی سزا اُس بدی کے مطابق ہوگی، بڑھائی نہیں جائے گی لیکن یہ الگ بات ہے کہ ہر بدی کی سزا ہے کتنی؟ گناہ کی سزا کے طور پر انہیں فرما دیا جائے گا کہ تمہیں اور کیا ملتا تم نے دنیا میں کمایا ہی یہی ہے...... تمہارے سامنے ایک بازار سجا تھا اُس میں سے تم اتباعِ رسالت بھی خرید سکتے تھے تم نے وہ نہیں خریدا، برائیاں ہی خریدتے رہے یہ سانس کا آنا جانا، یہ زندگی کے لمحات تمہارے پاس پونجی تھے، سرمایہ تھے تم انہیں خرچ کر کے نیکیاں، بھلائیاں خریدتے، تم برائیاں خریدتے رہے اب بھگتو اُن کے نتائج۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ز وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ.
(91) آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یقیناً حکم دیا گیا ہے کہ اس حرمت والے شہر کے پروردگار کی عبادت کروں جس نے اس شہر مکہ مکرمہ کو اتنا مکرم و محترم کر دیا جس نے اسے اپنی تجلیات ذاتی کا مہبط بنا دیا جس نے یہاں اپنا گھر بنا دیا۔ جس نے اُسے کائنات میں دین کے لیے مرکزیت دے دی۔ مجھے حکم ہے کہ میں اُس عظیم مالک کی عبادت کروں جو کائنات کا پروردگار ہے وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ. (91) ہر چیز اُس کی ہے کائنات میں جو کچھ ہے سب اُس کی ملکیت ہے۔ بندے کے پاس اپنی زندگی نہیں ہے وہ اللہ کے دست قدرت میں ہے اپنی صحت نہیں ہے وہ اللہ کے دست قدرت میں ہے۔ اپنی گویائی اور بصارت، دل کی دھڑکن اپنے پاس نہیں ہے تو یہ باقی چیزوں کا مالک کیوں بنا بیٹھا ہے؟ یہ سمجھ لے یہ سب اللہ کا مال ہے اُس نے امانت کے طور پر تجھے مالک بنا دیا۔ اُس کے حکم کے مطابق اسے استعمال کر، اُس کے حکم کے مطابق خرچ کر، اُس کے حکم کے مطابق کما، تیرا کچھ نہیں سب کچھ اُس کا ہے تو وقتی طور پر اُس کی بارگاہ کا ایک خادم ہے، ایک خادم ہے تیری ڈیوٹی لگی ہے، اپنی ڈیوٹی اچھے طریقے سے نبھا، دارِ دنیا سے دارِ بقا کو چلا جا۔

آپ ﷺ نے فرمایا مجھے تو سیدھا سیدھا حکم ہے کہ میں اپنا ہر لمحہ اطاعت میں گزاروں۔ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (91) ماننے والوں میں رہوں جو حکم ہے باری تعالیٰ کا اُس کی تعمیل کرتا رہوں، میرے لیے تو یہ راہِ عمل ہے۔ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ. (92) اور مجھے یہ بھی حکم ہے، میں قرآن پڑھا کروں، قرآن سناتا رہوں۔ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ. (92) میرے ذمے قرآن کا پڑھنا ہے جو مانے گا ایمان لائے گا، عمل کرے گا، ہدایت پائے گا تو اپنا فائدہ کرے گا نہ اللہ پر احسان کرے گا نہ اللہ کے رسول پر احسان کرے گا۔ جو سنے گا، سمجھے گا، مانے گا عمل کرے گا لِنَفْسِهٖ، وہ اپنی بہتری کے لیے کر رہا ہے اللہ سے اُس کا انعام پائے گا۔ وَمَنْ ضَلَّ اور جو گمراہ ہو جائے گا جو ایمان نہیں لائے گا رب کو چھوڑ دے گا تو فرما دیجئے اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. (92) میرا منصب جلیلہ یہ ہے کہ نہ ماننے کا جو نتیجہ قبر میں یا قیامت میں سامنے آئے گا وہ میں تمہیں آج بتا دوں۔ یہ میرا منصب جلیلہ ہے کہ میں نہ ماننے والوں کو وہ خطرات جو انہیں مر کر نظر آئیں گے جب توبہ کا وقت نہیں ہوگا میں اُن خطرات سے انہیں آج آگاہ کر دوں۔ وہ حادثے جو قیامت کو ہوں گے میں انہیں آج بتا دوں کہ نہ ماننے والوں کے ساتھ یہ مصیبتیں آئیں گی لہٰذا مان لو۔ ہاں! نہیں مانتے تو اُن کی مرضی۔ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا. (93) سب تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جو عنقریب تم پر جہان کو کھول دے گا، ساری نشانیاں تمہارے سامنے آجائیں گی، جب موت آتی ہے، بندہ قبر میں جاتا ہے تو اُسے فرشتے بھی نظر آجاتے ہیں۔ فرشتوں سے باتیں بھی کرتا ہے، اُسے جنت بھی دکھائی جاتی ہے، دوزخ بھی...... ساری اللہ کی عظمت کی نشانیاں سامنے آجاتی ہیں پھر ہر کوئی دیکھ لیتا ہے اور جب اللہ کی نشانیاں دیکھو گے پھر تو سمجھ لو گے اس لیے کہ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ. (93) تمہارا پروردگار تمہارے کردار سے بے خبر نہیں ہے۔ یہ یاد رکھو جو سوچتے ہو، اللہ جانتا ہے۔ جو بولتے ہو اللہ جانتا ہے۔ جو کرتے ہو اللہ جانتا ہے۔ یہ اب تمہاری جرأت ہے کہ بعض ایسے کام ہیں جو تم بندوں کے سامنے نہیں کرتے اللہ کے سامنے کر لیتے ہو، دیکھ لو وہ دیکھ رہا ہے وہ جانتا ہے۔ بندوں سے

جھوٹ بول لیتے ہو اللہ کے سامنے جھوٹ بولتے ہو، شرم آنی چاہیے۔ وہ تو حقیقت سے واقف ہے حقیقت حال سے باخبر ہے۔ بندوں کے ساتھ دھوکا کر لیتے ہو اللہ کے سامنے دھوکا کیسا! فرمایا گیا کہ بعض لوگ نماز میں بھی چوری کرتے ہیں۔ یہ نماز میں کیسی چوری؟ فرمایا رکوع پورا نہیں کرتے، تھوڑا سا جھک کے پھر قیام پورا نہیں کرتے، سجدے کریں گے تو مرغ کی طرح ٹھونگیں ماریں گے، سجدہ کر کے جلسے پہ نہیں بیٹھیں گے تو وہ نماز میں بھی چوری کر لیتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ کتر بیونت کر کے تو پھر وضو میں بھی چوری کر لیتے ہیں۔ چھینٹے اُڑائے، کوئی جگہ خشک کوئی گیلی ہوگئی، خیال نہیں کیا۔ توجہ سے پاؤں ہاتھ دھوئے نہیں تو بہرحال فرمایا کہ ہر کام ایسے ہو کہ اللہ کریم مجھے دیکھ رہا ہے اور واقعی وہ دیکھ رہا ہے۔ ہر حال سے وہ باخبر اور وہ دیکھ رہا ہے اور تمہارے کردار سے کبھی بے خبر نہیں لہٰذا حضورِ حق نصیب ہو جائے تو اللہ کرے بات بن جائے۔ اُس کی رحمتیں وسیع ہیں اور توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور اس سے پہلے کہ دابۃ الارض نکلے، اس سے پہلے کہ پہاڑ غبار بن کے اُڑیں، اللہ سے توبہ کی جائے۔ جو خطائیں ہیں اُن کی معافی طلب کی جائے، نیکی کی توفیق طلب کی جائے۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین o

صقارہ ایجوکیشن سسٹم کا مرکزی ادارہ علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج

SIQARAH

صقارہ سائنس کالج

بزرگانِ دین کی سرپرستی بچوں کی سیکورٹی کا اعلیٰ انتظام صاف ستھرا ماحول

داخلہ 2015 برائے جماعت چھٹی تا بارھویں

سپیشل آفر یکم اپریل سے فسٹ ائیر کی کوچنگ کلاسسز کا مفت آغاز

پری میڈیل پری انجینئرنگ کمپیوٹر سائنس اینڈ آرٹس گروپ

نمایاں خصوصیات

سیلکشن امیدوار کا تحریری امتحان، انٹرویو اور میڈیکل پاس کرنا لازم ہے

- جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کشادہ کیمپس
- فیس کم، معیار اعلیٰ، بھائیوں کیلئے فیس میں خصوصی رعایت اور میرٹ اسکالرشپ
- مستعد اور تجربہ کار اساتذہ
- نظم و ضبط اور اسلامی شعائر کی پابندی
- کھیلوں کے وسیع و عریض میدان
- والدین کو sms کے ذریعے حاضری اور امتحانی نتائج کی فوری اطلاع

داخلہ جاری ہے

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

پرنسپل: ملک اختر حسین ایم فل کیمسٹری۔ بی ایڈ۔ ایم ایڈ

صقارہ سائنس کالج دارالعرفان منارہ ڈاکخانہ نورپور ضلع چکوال

or more Info: www.Siqarahedu.com Mob: 0313-6919797 Ph: 0543-562222

شیخ المکرمؒ کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

سالانہ اجتماع، مئی 2015

سوال: یہ ساتھی فرماتے ہیں ہم نے بارہا مختلف جگہوں پر سنا ہے کہ نبی ﷺ وجہ کائنات ہیں۔ اگر آپ ﷺ نہ پیدا ہوتے تو دنیا نہ بنتی۔ یہ وضاحت فرمادیں کہ یہ حدیث یا قرآن میں آیا ہے؟ یا اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: غالباً میری نظر سے تو نہیں گزرا۔ میں نے اس موضوع پر کوئی حدیث بھی نہیں پڑھی۔ قرآن کریم کے ترجمے اور تفسیر کی سعادت ہوئی ہے۔ حاصل قرآن میں بھی میری نظر سے نہیں گزرا اور آپ کا کہنا بھی درست ہے کہ یہ عام واعظین کے ہر وعظ میں زبان زدِ عام محاورہ ہے کوئی عجیب بات نہیں ہے، اکثر سننے میں آتا ہے لیکن اس کی جو توجیہ میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کریم نے اپنی ساری مخلوق میں انسان کو معرفتِ حق کی استعداد بخشی ہے ایک حدیث قدسی ہے جو باتیں اللہ کی طرف سے آئیں اور وہ قرآن نہ تھیں، قرآن کا حصہ نہیں تھیں انہیں حدیث قدسی کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائیں کہ اللہ کا یہ ارشاد ہے تو اگر قرآن ہے تو قرآن میں آ گیا اور اگر قرآن نہیں ہے تو پھر اُسے حدیث قدسی کہتے ہیں اور بعض علمائے حق جو ہیں اس حدیث پر بھی جرح فرماتے ہیں، اس کی صحت پر بحث کرتے ہیں کہ صحیح ہے کہ نہیں لیکن یہ حدیث تفسیر مظہری میں ہے۔ كُنْتُ كَنْزاً مَّخْفِيًا کہ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا مجھے کوئی نہیں جانتا تھا۔ مخلوق پیدا کی وہ میری مخلوق تھی میرے حکم کی پابند تھی۔ حکم کو مانتی تھی لیکن حاکم کو نہیں جانتی تھی۔ مخلوق کو اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ حاکم کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھے۔ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ تو میں نے مخلوق کو انسانیت کو پیدا کر دیا كُنْتُ كَنْزاً مَّخْفِيًا اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ تو مجھے یہ بات پسند آئی کہ کوئی میرا جاننے والا بھی ہو، میرے حکم کا پابند تو کائنات کا ذرہ ذرہ ہے، کوئی ایسا بھی ہو کہ جسے میں تھوڑا سا اختیار بھی بخشوں تو وہ مجھے جان کر اپنے دل سے فیصلہ کرے کہ نہیں میرا اختیار اتنا ہی ہے کہ میں تیری اطاعت کروں۔ جسے میں خطا کے موقعے بھی دوں تو وہ فیصلہ کرے کہ نہیں تیرے سامنے خطا نہیں کر سکتا تو میں نے انسانیت کو پیدا کر دیا۔ اگر اس نگاہ سے دیکھیں تو کائنات کا حاصل ہے انسان۔ تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ وجہ تخلیقِ کائنات انسان ہی ہے۔ باقی جتنی کائنات ظاہری بھی ہے، سیارے ستارے، سورج، چاند سارے زمین کی طرف متوجہ ہیں سب کے طلوع وغروب سے کہیں زمین پر روئیدگی ہوتی ہے، کہیں بارش ہوتی ہے، کہیں مختلف تبدیلیاں آتی ہیں، وہ ساری جتنی ہیں اُن سے فائدہ انسان حاصل کرتا ہے۔ خلاصہ کائنات ہے تو پھر یہ سوچا تو جاسکتا ہے کہ اگر انسان کو اللہ نے پیدا نہ کرنا ہوتا تو شاید کائنات کو ہی نہ پیدا فرماتا کیونکہ کائنات کا حاصل تو انسان ہے تو اگر انسان کائنات کا حاصل ہے تو انسانوں میں مردود بھی ہیں، جہنمی بھی ہیں، کافر بھی ہیں وہ تو مقصدِ حیات نہیں ہو سکتے، وہی مقصدِ حیات ہیں جنہیں معرفتِ الٰہی نصیب ہے جو عظمتِ الٰہی سے آشنا ہوئے اور جن کے دل تجلیاتِ باری کا محور بن گئے۔ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ (سورۃ الفتح: 29) عبادات اور اللہ کی یاد کی وجہ سے جن کے چہروں پر میری تجلیات رقصاں رہتی ہیں۔ اب یہ فضیلت انسان کو کہاں سے ملی؟ ہر اُمت کو اُس کے نبیؑ سے ملی۔ انبیاؑ کے امام کون ہیں؟ محمد رسول اللہ ﷺ تو ساری انسانیت کو جو یہ معرفتِ حق نصیب ہوئی تو انبیاؑ کی معرفت نصیب

ہوئی۔ انبیا بھی محتاج ہیں نبی کریم ﷺ سے حاصل کرنے کے۔ ہر امت کو نصیب تو نبی کریم ﷺ سے ہوئی لیکن ہوئی اپنے نبی کی معرفت سے اور یہ آخری اُمت ایسی خوش نصیب ہے کہ اسے براہِ راست محمد رسول اللہ ﷺ سے نصیب ہوئی اس لیے قرآن نے اسے خیر اُمۃ کہا ہے کہ تم بہترین اُمت ہو۔ اس نظر سے دیکھیں تو انسانیت کو جو شرف ملا وہ حضور ﷺ کے طفیل ملا۔ پھر وجہ تخلیقِ کائنات تو حضور ﷺ ہی ہوئے۔ اگر اس نگاہ سے آپ تجزیہ کر کے لے آئیں تو بات یہیں پہنچتی ہے تو ہر بات کو سوچنے کے مختلف زاویے ہیں۔ کسی کی سوچ اور ہو تو وہ جانے اُس کا رب جانے لیکن اگر اس انداز سے سوچا جائے تو بات حق معلوم ہوتی ہے۔

سوال: ان کا سوال ہے منازل صوفیاء اور مناصب صوفیاء کے بارے میں راہنمائی فرمائیں؟

جواب: جملہ تو چھوٹا سا ہے لیکن بہت ساری بات اس میں سمائی ہوئی ہے۔ منازلِ صوفیاء کیا ہیں؟ میں شاید کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ انبیاؑ کی تعلیم میں اور دوسرے ماہرین کی تعلیم میں ایک بنیادی فرق ہے۔ آپ کو تعلیم تو ہر فن کا اُستاد دیتا ہے۔ دنیوی تعلیم بھی ہم سیکھتے ہیں، سائنس سیکھتے ہیں، مابعد الطبیعات سیکھتے ہیں اور بے شمار علوم جو ہم سیکھتے ہیں وہ علم نہیں ہوتا وہ خبر ہوتی ہے۔ ہمارا سکھانے والا یا استاد بہت سی خبریں ہم تک پہنچاتا ہے، وہ خبریں ہمارے ذہن میں جمع ہو جاتی ہیں، ہم پی۔ایچ۔ڈی کر لیتے ہیں لیکن سب خبروں کا ہماری زندگی پر، ہمارے دل میں، ہماری روح پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اسے حقیقتاً علم نہیں کہنا چاہیے یہ خبریں ہوتی ہیں۔ انبیاؑ کی تعلیمات میں یہ فرق ہوتا ہے کہ نبیؑ جو فرماتا ہے اُس کے ساتھ ایک کیفیت ہوتی ہے جو دل وہ کیفیت قبول کرتا ہے۔ ایسا شخص پھر مر جاتا ہے، کٹ جاتا ہے، اُس سے ہٹتا نہیں کیونکہ وہ خبر نہیں ہوتی وہ بات تو اُس کے کان سنتے ہیں، دماغ میں پہنچتی ہے لیکن اُس کے ساتھ جو کیفیات ہوتی ہیں وہ قلب میں اُتر جاتی ہیں۔

اسلام کی پہلی پہلی شہید ایک خاتون ہیں حضرت سُمیہؓ، حضرت یاسرؓ کی بیوی، حضرت عمارؓ کی والدہ۔ مکہ مکرمہ میں ابتدائی ایام میں ابوجہل نے انہیں پکڑ لیا کہ یہ غلام قسم کے لوگ ہیں، کمزور ہیں لیکن کمال ہے یہ بھی مسلمان ہو گئے ہیں۔ کمزور ترین لوگ اور جو نسلاً بعد از نسلاً غلام آ رہے ہیں وہ بھی اگر ہمارے مقابلے میں آ گئے ہیں تو ہمارے پلے کیا رہا؟ اُس نے اُن کے سارے خاندان کو پکڑ لیا۔ حضرت عمارؓ کو، حضرت یاسرؓ کو، اُن کی ایک بیٹی تھی اور بیوی چار فرد تھے۔ انہیں اتنا پیٹا جاتا تھا وہ اپنا حال سناتے ہیں کہ ہم پر وہ اتنا تشدد کرتے تھے کہ شام کو جب ہم گرتے پڑتے گھر پہنچتے تو کسی ایک میں ہمت نہیں ہوتی تھی کہ دوسرے کو گھڑے سے پانی نکال کر دے دے۔

نبی کریم ﷺ نے انہیں سزا پاتے ہوئے دیکھا، آپ ﷺ کا گزر ہوا تو انہیں پیٹا جا رہا تھا تو آپ ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: اِصْبِرُوْا یا آلَ یَاسِرْ! اے یاسر کے گھر والو! صبر کرو۔ اِنَّ مَوْعِدَ کُمُ الْجَنَّۃ تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ ہے۔

تنگ آ کر ابوجہل نے کہا، چلو ان مردوں کو تو چھوڑو تم بوڑھی عورت ہو، تم دل سے نہ کہو، زبان سے تو کہہ دو کہ میں اس دین کو نہیں مانتی، میں اللہ کو واحد نہیں مانتی، آخر میں کچھ میرا بھرم رہ جائے۔ سارے شہر کو علم ہے کہ سزا دے رہا ہے، انہیں مار رہا ہے اور یہ ہیں کہ دین پر قائم ہیں تو اس طرح میرے پلے کیا رہے گا؟ اُنؓ کا بڑا سادہ سا جواب تھا کہ جب وہ ہے تو میں اس کا انکار کیسے کروں؟ اب جب وہ واحد لاشریک ہے تو میں اُس کا شریک کیسے بناؤں، حقیقت کے خلاف کیسے جاؤں؟ اس پر بڑے ظالمانہ طریقے سے اُس نے انہیں شہید کر دیا۔ ایک کمزور بوڑھی عورت ظلماً شہید ہو گئی لیکن اُس نے کہا میں حقیقت کے خلاف کیا کہوں؟ اللہ ہے، واحد ہے، لاشریک ہے، کائنات کا مالک ہے، میں اس کا انکار کیسے کروں؟ اب یہ خبر بندے کو استقامت نہیں دیتی جب تک اُس کی کیفیات دل میں نہ اُتریں اور دل میں ایک کیفیت بن جاتی ہے تو وہ نکالی نہیں جا سکتی۔ آج ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں ہمیں مسلمانوں میں، کافروں میں بظاہر کوئی فرق نظر نہیں آتا سوائے زبانی دعوے کے۔ حلیے میں، شکلوں میں، کردار

میں، دھوکہ دینے میں، جھوٹ بولنے میں بلکہ بعض عادات میں کفار ہم سے بہتر نظر آتے ہیں۔ کاروبار میں یا تجارت میں یا بعض چیزوں میں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم جو کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں وہ ہماری زبان پر ہے، ہمارے پاس خبر ہے، اطلاع ہے، اس کی برکات ہمارے دلوں میں نہیں اُتریں۔ کیفیات جو اُس کلمہ طیبہ میں ہیں ہمارے دلوں میں نہیں اُتریں۔ ہم حج کرتے ہیں، طواف کر کے آجاتے ہیں، ارکان ادا کر کے آجاتے ہیں لیکن ہماری زندگی میں کوئی فرق نہیں آتا، مثبت تبدیلی نہیں آتی۔ کیوں؟ وہ علم نہیں بنتا، کیفیات دل میں نہیں اُترتیں۔

سوال: مناصبِ صوفیا اور منازلِ صوفیا کیا ہیں؟

تصوف کی بنیاد:

تصوف کی بنیاد کیا ہے؟ تصوف ہے ہی یہ کہ قلوب کو صاف کیا جائے اور دین خبر نہ رہے، دین علم بن جائے، دل کا حال بن جائے، دل میں اُتر جائے۔ اللہ کریم نے لطیفہ قلب کا ذکر تو قرآن حکیم میں فواد کہہ کر فرما دیا، انتہائی نہاں خانۂ دل میں جو لطیفہ ربانی ہے قرآن اس کے لیے لفظ فواد استعمال کرتا ہے۔ حضرت مجددؒ نے اپنے مکتوبات میں یہ لکھا ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ انسان آگ، مٹی، ہوا اور پانی سے مرکب ہے تو یہ انسان کے بدن کی بات ہے۔ عناصر اربعہ کے ملنے سے نفس بنتا ہے۔ اس طرح درحقیقت انسان دس چیزوں کا آمیزہ ہے۔ پانچ یہ اجزائے عناصر اربعہ ہیں اور نفس ہیں اور پانچ لطائف عالم امر سے ہیں۔ قلب، روح، سری، خفی، اخفاء۔ یہ پانچ لطائف عالم امر کے ہیں اور انسان ان دس چیزوں کا آمیزہ ہے۔ یہ جو لطائف عالم امر کے ہیں جسے قرآن نے فواد کہا ہے یا جس کا حکم نبی کریم ﷺ کو دیا ہے: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ ۔ (آل عمران: 164) کہ آپ ﷺ انہیں قرآن کی آیات سناتے ہیں اور اُن کا تزکیہ کرتے ہیں۔ تزکیہ سے مراد یہ نہیں کہ انہیں صابن مل مل کر نہلایا جاتا ہے یہ تزکیہ قلب کا ہوتا ہے۔ لطیفہ قلب کا ہوتا ہے اور یہی تصوف کی بنیاد ہے کہ کلمہ محض زبانی نہ مانا جائے، دل کو صاف کیا جائے، اس کی برکات دل میں اُتریں۔

دل کو صاف کیسے کیا جائے؟ قرآن میں ہے: كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ۔ (المطففین: 14) ان کے دلوں پر زنگ لگ گئے ہیں، دل زنگ خوردہ ہو گئے ہیں، کفار کے بارے میں آتا ہے کہ انہیں عظمتِ الٰہی کیوں نظر نہیں آتی جب کہ ہر ذرہ اُس کی عظمت کا گواہ ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں: رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ۔ ان کے دلوں کو زنگ لگ چکا ہے، اب کسی کی آنکھ کی بینائی جاتی رہے تو اسے کیا چیز نظر آئے گی؟ یہ کیفیات دل قبول کرتے ہیں لیکن ان کے دل زنگ خوردہ ہو گئے ہیں۔ اب دل کا زنگ کیسے اُترے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لکل شیئٍ صقالۃ۔ ہر چیز کی پالش ہوتی ہے جو زنگ اُتار کر، میل اُتار کر اُسے چمکا دیتی ہے۔ وصقالۃ القلوب ذکر اللہ او کما قال رسول اللہ ﷺ (بیہقی) دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔ جتنا آپ اللہ کا ذکر کریں گے اُتنے دل صاف ہوتے جائیں گے، چمکتے جائیں گے۔

مراقبات:

جب دل ذکر سے صاف ہوتا ہے تو کیفیات وارد ہوتی ہیں مثلاً صوفیوں کا پہلا قدم ہے مراقبہ احدیت، یہ کیا ہے؟ والھکم الہ واحد۔ (البقرہ: 163) قرآنِ کریم کی آیت ہے، ہم نے سنی بھی، پڑھی بھی، اقرار بھی کر لیا لیکن کیا اس کی کیفیت ہمارے دل پر آئی؟ اس کیفیت کو دل میں اُتارنا، دل کو اتنا صاف کرنا کہ جب زبان کہے کہ وہ واحد ہے، لاشریک ہے تو دل میں یہ کیفیت آجائے کہ اس جیسا کوئی نہیں۔ ہر آیت کے اپنے انوارات ہیں، وہ انوارات جب دل میں آئیں تو ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے اُسے مراقبہ احدیت کہتے ہیں۔ اس میں مشاہدات کیا ہوتے ہیں؟ حسب استعداد ہوتے ہیں لیکن راستہ یہی ہے۔ توحیدِ باری قلب میں راسخ ہو جائے تو اگلا مراقبہ ہوتا ہے معیتِ باری کا۔ وہی قرآن کی آیت ہے وھو معکم این ما کنتم (الحدید: 4) تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اسے ہم سنتے بھی ہیں، پڑھتے بھی ہیں، مانتے بھی ہیں لیکن ہم نے کبھی محسوس کیا ہے؟ کہیں ہمارے کردار میں کوئی جھلک، بات کرنے میں، گفتار میں، اُٹھنے بیٹھنے کے انداز میں کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے،

کوئی جھلک ہے؟ ایک بندہ ساتھ ہو تو ہم کتنے مہذب رہتے ہیں کہ یہ ساتھ ہے اور یہ دیکھ رہا ہے۔کوئی خلاف تہذیب یا خلافِ معیار بات نہ کردوں۔ اللہ ساتھ ہو تو بندہ کیسا ہوگا؟ اب یہ اللہ کا ساتھ ہونا ہم نے قرآن میں پڑھا بھی، علما سے سنا بھی، مان بھی لیا لیکن اُس کی کیفیت دل میں کیسے آئے؟ تو جب قلب صاف ہو اور وہ کیفیت دل میں اُترے تو بندے کا ایک اور حال بن جاتا ہے، اُسے ہر حال میں معیت باری کا احساس رہتا ہے جو اس کے نظریات اور عقائد سے لے کر کردار تک کو سیدھا کر دیتا ہے، درست کر دیتا ہے۔

اہمیت شیخ:

شیخ سے کیوں لینا پڑتا ہے یہ؟ اس لیے لینا پڑتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ قرآن کریم پڑھتے تھے تو سنتے تو کفار بھی تھے اور مسلمان بھی سنتے تھے۔مسلمانوں کے قلوب میں تو یہ کیفیات آجاتی تھیں، کافر سن کر بڑے کُڑھتے تھے اور پتھر برساتے تھے اور گستاخیاں کرتے تھے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ جو برکات ہیں، کیفیات ہیں ان کا تعلق برکاتِ نبوت سے ہے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات ظاہری علوم بھی دیتی ہیں اور ان کے ساتھ اُن کی کیفیات عطا کرتی ہیں جو قلب میں اُتر کر زندگی کا، جان کا حصہ بن جاتی ہیں تو یہ جو مشائخ ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پہلوں سے یہ برکات حاصل کیں، انہوں نے اپنے پہلوں سے یہاں تک کہ ہر سلسلہ بارگاہِ رسالت ﷺ تک پہنچتا ہے۔

اسی طرح اگلا مراقبہ اقربیت پر ہے قرآن کریم کی آیہ مبارکہ ہے: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ (قٓ:16) ہم اُس کی رگ جاں سے بھی قریب تر ہیں۔ ہم اس آیت کو سنتے ہیں، پڑھتے ہیں، مانتے ہیں لیکن کیا کبھی کسی نے محسوس کیا ہے کہ میرا پروردگار میری رگِ جان سے بھی قریب تر ہے؟ اس مراقبہ کی کیفیات کیا ہیں، اس کے انوارات کیسے ہیں؟ وہ دل پہ اُتریں، وہ کیفیت دل میں آئے تو پتا چلے۔ حقیقی منافع تو قرآن کا تب حاصل ہو کہ ہم اُس کے الفاظ بھی سنیں، ہم اُن پر یقین بھی کریں، ایمان بھی لائیں لیکن اُن الفاظ میں جو انوارات و برکات ہیں وہ بھی ہمارے دل میں آئیں، صرف سننے تک تو ہم اور کافر برابر ہیں۔ ہم سن کر مان لیتے ہیں وہ سن کر انکار کر دیتے ہیں۔ سنتے تو وہ بھی تھے، صرف مانتے نہیں تھے، صحابہ کرامؓ نے صرف مانا نہیں وہ کیفیات اُن کے دل میں اُتریں تب وہ صحابیؓ بنے۔

اسی طرح آپ آگے چلتے جائیں، دوائر محبت ہیں يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔ (المائدہ:54) قرآنِ کریم کی آیات ہیں۔ اب اُن کی کیفیات کس طرح کی ہیں، دل میں کیسے وارد ہوئی ہیں اور جب وارد ہوتی ہیں تو بندے میں کیا کیا مثبت تبدیلیاں آتی ہیں؟ تو سارا تصوف حصول کیفیات ہے۔ جہاں تک بحث کرتے جائیں گے تو آپ کو سمجھ آئے گی کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات اور قرآنِ پاک جو اللہ کا ذاتی کلام ہے۔ اس کی آیاتِ مبارکہ میں جو کیفیات ہیں اُن کے حصول کا نام تصوف ہے۔

ہر بات میں، آپ کی اور میری بات میں بھی ایک کیفیت ہے، ہم ایک بندے کو خوش کرنے کے لیے اچھی بات کہتے ہیں تو کیا اُس کے دل پر خوشی نہیں آتی، کیفیت نہیں آتی؟ ایک بندے کو گالی دے دیتے ہیں وہ کیوں غصے میں آجاتا ہے؟ اس کے دل میں وہ غصے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اگر میری اور آپ کی بات میں کیفیت ہے تو اللہ کی بات میں کیسی کیفیت ہونی چاہیے؟ یہ اللہ جل شانہ کا ذاتی کلام ہے۔ ہم ساری عمر پڑھتے رہتے ہیں اور ہم الفاظ ہی پڑھتے رہتے ہیں ہم پر کوئی کیفیت وارد نہیں ہوتی۔ یہ کیفیات بھی بارگاہِ رسالت سے حاصل کی جاتی ہیں جیسے قرآن کے الفاظ کسی دوسرے بندے نے وحی سے نہیں سنے، جبرائیل امین سے نہیں سنے، القاء الہام سے نہیں سنے، صرف نبی کریم ﷺ نے سنے اور ساری مخلوق کو آپ ﷺ نے بتایا کہ یہ قرآن ہے۔ اسی طرح ساری برکات بھی آپ ﷺ کے سینۂ اطہر میں ہیں۔ الفاظ بھی آپ ﷺ نے عطا فرمائے کیفیات بھی آپ ﷺ کی بارگاہ سے عطا ہوں گی۔ تصوف یہ ہے کہ ظاہر کو بھی مانا جائے اور ان کیفیات کو حاصل کرنے کے لیے محنت بھی

کی جائے اور چلو پورا مثل نہ سہی، کوئی عشر عشیر ہی سہی، ہزارواں حصہ سہی، کچھ تو ہو یہ نہیں کہ ہر صوفی کامل ہو جاتا ہے لیکن غیر صوفی کی نسبت بہرحال بہتر ہوتا ہے اس کے دل میں وہ کیفیات آجاتی ہیں۔ اسی طرح آپ آگے چلتے جائیں تو وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ۔ (الرحمن: 6) کائنات کا ہر ذرہ اُس کی اطاعت کا اقرار کرتا ہے اور اُس کی بارگاہ میں سربسجود ہے۔ ہم اللہ کے اس ارشاد کو مان لیتے ہیں، ہم نے کبھی درخت کو سجدہ کرتے نہیں دیکھا پہاڑوں کو سجدہ کرتے نہیں دیکھا، پرندوں کو سجدہ کرتے نہیں دیکھا، جانوروں کو سجدہ کرتے دیکھا تو نہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ اَلنَّجْمُ وَالشَّجَرُ کہ باریک سے تنکے سے لے کر بڑے درخت تک ساری مخلوق جو ہے وہ اس کی بارگاہ میں سربسجود ہے۔ اب ہم اس کا ایک معنی تو یہ کرتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ ہر ذرہ اس کی اطاعت کا پابند ہے لیکن وہ کیفیت جو سجدے میں ہوتی ہے وہ ہر ذرے پہ کیسے آتی ہے؟ اور اگر ہر ذرے پر آتی ہے تو اس میں ہمارے وجود کے اربوں، کھربوں ذرات بھی شامل ہیں۔ ہم پر کیسے وارد ہوتی ہے، ظاہری علوم والا صرف آیت پڑھتا ہے اور صوفی اس کیفیت کو بھی حاصل کرتا ہے۔ یہ بارگاہ رسالت سے تعلق اور نسبت سے حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح ظاہری علم بھی تعلق سے پہنچتا ہے جس طرح آپ نے کسی اُستاد سے پڑھا، اس نے کسی سے، یہ جاتے جاتے بات رسول اللہ ﷺ تک جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ قرآن ہے۔ اسی طرح کیفیات بھی آپ اپنے شیخ سے حاصل کرتے ہیں اس نے اپنے شیخ سے، اس نے اپنے سے، یہ بات بھی بارگاہِ رسالت ﷺ تک جاتی ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمن: 26) قرآن کی آیت ہے، ہمارے سامنے تو جہاں آباد ہے، اُس کے فنا کی کیفیت کیا ہے اور اس کے اثرات قلب پر کیسے وارد ہوتے ہیں، کیا کیفیت ہوتی ہے؟ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔ (الرحمن: 27) باقی صرف اللہ کی ذات ہے۔ اب کائنات کی فنا اور اس کی بقا کی کیفیت کیا ہے؟ تو یہ صوفیا کے مراقبات ہیں۔ علیٰ ھذا زندگیاں ختم ہو جاتی ہیں یہ ختم نہیں ہوتے۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکلا ہے وحدت الوجود اور وحدت الشہود جس نے کائنات کی فنا کی اور اللہ کی بقا کی کیفیت بھانپی تو اس نے کہہ دیا کہ وجود ایک ہی ہے باقی سب جھوٹ ہے۔ وحدت الوجود سے مراد یہ تھا کہ ایک وجود ہے جو اپنی ذات سے باقی ہے، جس پر فنا نہیں ہے، کوئی اُس پر تغیر، تبدیلی، کمزوری، بڑھاپا کچھ نہیں ہے۔ وہ ایک واحد لاشریک ذات ہے باقی سب چیز محض نظر کا دھوکا ہے، سب نے فنا ہونا ہے تو انہوں نے کہہ دیا وحدت الوجود ایک ہی وجود ہے، باقی سب سائے پھر رہے ہیں۔ سورج ڈھلنے کے ساتھ ساتھ ڈھلتے جاتے ہیں، ڈوب جاتا ہے تو ختم ہو جاتے ہیں اُن کی حقیقت کوئی نہیں۔ اب یار لوگوں نے اس میں ایک اور بات داخل کر دی۔ انہوں نے کہا ایک ہی وجود ہے یعنی سارے وجود ایک ہی ہیں، سارے وجود اللہ ہیں، بات کیا تھی، کھینچ کر کہاں لے گئے۔

حضرت مجددؒ نے اس کی اصلاح فرمائی اور فرمایا وحدت الوجود نہیں وحدت الشہود کہو کہ ہر وجود اس کے یکتا ہونے کا گواہ ہے۔ ہر صنعت، صانع کی کاریگری کی گواہ ہوتی ہے۔ آپ کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اُس کے بنانے والے کا خیال ذہن میں آجاتا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا کاریگر ہے جس نے یہ تصویر بنائی ہے یا مکان بنایا یا دروازہ بنادیا ہے، یہ کرسی بنائی تو ہر صنعت صانع کی عظمت کی گواہ ہوتی ہے لہٰذا کائنات کا ہر ذرہ اللہ کی عظمت کا گواہ ہے۔ اتنی صاف اور واضح بات الجھ کر وجہ نزاع بن چکی ہے۔ اس پر بڑی کتابیں لکھی گئیں اور پتا نہیں کتنی لکھی جائیں گی لیکن سرا کسی کے ہاتھ نہیں آتا جتنی بڑی کتاب پڑھو اتنے اور اُلجھ جاتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ فن حاصل کرتے، یہ کیفیات حاصل کرتے، یہ کیفیات دل میں آتیں تو معاملہ بھی سمجھ آتا۔ پچھلے دنوں یہاں پروفیسر صاحب تشریف لائے ہوئے تھے اپنے زمانے کے معروف پروفیسر تھے، ملک کے مانے ہوئے لوگوں میں سے تھے، بہت عالم فاضل تو یہیں کہیں بات ہوئی، کسی نے یہ سوال کیا تھا اسی مجلس میں کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کیا ہے؟ میں نے پانچ دس منٹ اُس کی شرح کی تو وہ دفتر میں مجھے ملنے آئے کہنے لگے

کہ میں نے جو کتابیں پڑھی ہیں اُن مصنفین کا نام لیا جائے تو بندہ لرز اُٹھتا ہے۔ اتنے بڑے بڑے لوگ ہیں لیکن حق یہ ہے کہ اتنی اتنی موٹی کتابیں پڑھ کر مسئلہ اور اُلجھ گیا۔ یہ آپ نے دو چار منٹوں میں کیسے حل کر دیا اور حل ہو گیا، مجھے سمجھ آ گیا۔ میں نے کہا میں نے نہیں کیا، یہ اللہ کی عطا ہے لوگوں نے الفاظ پڑھے ہیں اور ہم کوشش کرتے ہیں ان کیفیات کو پانے کی۔ حقائق جب سامنے آتے ہیں تو بات صاف ہو جاتی ہے۔

سارے صوفیاء کے مراقبات اور مقامات کا راستہ یہ ہے اور فنا بقا تک میں نے جتنے مراقبات عرض کیے ہیں یہ ابجد ہے۔ ا،ب،ج،د یہ تصوف کے Alphabet ہیں۔ بڑے بڑے بزرگوں نے فنا بقا کے بارے یہ لکھا ہے کہ ہم نے سلوک تمام کر لیا، ہمیں فنا بقا حاصل ہو گئی تو یہ انہیں دھوکا لگا ہے۔ یہ محض بنیادی پتھر ہیں، عمارت تو بہت دور تک، اوپر تک جا سکتی ہے اور سلوک کبھی ختم نہیں ہوتا۔ نبی ﷺ کے منازل کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ آپ ﷺ کو پوری حیات مبارکہ میں ہر لحہ ترقی نصیب ہوتی رہی، بعد از وصال برزخ میں ہر لحہ ترقی نصیب ہوتی رہے گی حتیٰ کہ عرصہ محشر میں بھی حضور اکرم ﷺ کو ترقی نصیب ہوگی اور جنت میں تو ہر جنتی کو ہر لحہ کیفیات میں ترقی ہوتی رہے گی تو حضور ﷺ کی تو شان ہی جدا ہے۔ اللہ کے قرب کی کوئی انتہا نہیں اور کبھی کہیں کوئی ایسی جگہ نہیں آتی کہ یہاں یہ اللہ کریم بیٹھے ہیں، ہم پہنچ گئے سلوک تمام ہو گیا، ایسی جگہ کوئی نہیں ہے۔ قرب الٰہی کے منازل اور سلوک کے درجات ختم نہیں ہوتے نہ کبھی ہوں گے۔ دنیا میں زندگیاں ختم ہو جاتی ہیں یہ چلتے رہتے ہیں، برزخ میں چلتے رہتے ہیں۔

برزخ میں منازل میں ترقی نہیں ہوتی، کیفیات میں ہوتی ہے۔ دو باتیں، منازل میں ترقی اعمال سے ہوتی ہے جو عمل آپ شریعت کے مطابق کرتے ہیں اس سے منازل میں ترقی ہوتی ہے لیکن جس منزل پر بھی وصال ہو جائے اس کی جو کیفیات ہیں، کیفیات میں ترقی ہوتی رہتی ہے، عمل منقطع ہو گیا منازل ختم ہو گئے۔ اسی طرح جنت میں درجات میں ترقی نہیں ہوگی، جس درجے میں کوئی ہے اُسی میں رہے گا لیکن کیفیات میں ترقی ہوتی ہے اُسے کیفیات زیادہ سے زیادہ ملتی رہیں گی۔ یوں یہ راستہ ختم نہیں ہوتا یہ ایک نہ ختم ہونے والا راستہ ہے۔

مناصب اولیاء اللہ

دوسری بات آپ نے اس میں مناصب کے بارے میں پوچھی صوفیاء کے مناصب کیا ہوتے ہیں؟ اسے بھی متنازعہ بنا دیا گیا ہے اور اس پر بڑے اعتراض ہوتے ہیں کچھ تو اس کے ڈانڈے شرک اور کفر سے جا ملاتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو ان مناصب میں خدائی اختیار مان لیتے ہیں۔ ایک انتہا پہ چلے جاتے ہیں یا دوسری انتہا پہ چلے جاتے ہیں۔ کسی کو پتا چل جائے کہ اس کے پاس کوئی منصب ہے تو وہ سمجھتا ہے اب یہی میرا معبود ہے اور یہی میرا مشکل کشا ہے، یہی میرا حاجت روا ہے، میرا سب کچھ یہی کرے گا۔ جو انکار کرتے ہیں وہ اسے شرک و کفر تک لے جاتے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ کائنات کے نظام کو رب العالمین نے اسباب سے وابستہ کر دیا، کرتا وہ خود ہے لیکن اسباب پیدا فرماتا ہے۔ اس سب کے نتیجے میں کام ہوتا ہے ابھی ہم پچھلے جمعہ کو پڑھ رہے تھے ہمارا جو سبق تھا۔ قرآن کریم میں کہ اللہ کریم نے جب ارادہ فرمایا کہ یہ جو بنی اسرائیل ہیں انتہائی کمزور ہیں، قبطی ان سے مشقت بھی لیتے ہیں، ان کو کوئی اُجرت بھی نہیں دیتے، مارتے پیٹتے ہیں، ان کے نوزائیدہ بچے ذبح کر دیتے ہیں اور یہ فریاد نہیں کر سکتے، ان کو قبطیوں نے اتنا پیس کر رکھ دیا ہے تو فرمایا: اللہ نے چاہا کہ ان کمزوروں کو حکومت دیں اور ظالموں کے محلات اور خزانے چھین کر اُن کو دیں۔ اب یہ بات تو ہو گئی لیکن اس کا طریقہ کیا ہوا؟ اللہ نے موسیٰ کو پیدا فرمایا، پھر انہیں فرعون کے محل میں رکھا کہ دنیوی سیاست جو ہے آپؑ اس کی تربیت پائیں۔ آپؑ جانتے ہوں کہ کس سے بات کیسے کرنی ہے، کون سا کام کیا ہوتا ہے اور کس طرح لوگوں سے ڈیل (Deal) کیا جاتا ہے، کس طرح بڑوں سے، چھوٹوں سے، صاحب اختیار و اقتدار سے اور کمزور سے کس طرح

ڈیل کرنا، یہ تربیت وہاں کرائی۔ وہاں سے نکلے قبطی کا قتل ہوگیا، سزائے موت کا حکم ہوگیا، جان بچا کر بھاگے تو انہیں حضرت شعیبؑ کے پاس بھیج دیا کہ نبیؑ کی صحبت میں رہ کر یہ بھی دیکھیں کہ کس طرح سے کیفیات حاصل ہوتی ہیں، کیسے سنبھالی جاتی ہیں، عملی زندگی پر اُن کا کیا اثر ہوتا ہے؟ (یعنی تصوف و سلوک کیا ہے، باطنی امور کی تربیت) آٹھ یا دس سال وہاں رہے۔ پیدائش سے لے کر شعیبؑ کے پاس سے واپسی تک تقریباً چالیس پینتالیس سال گزر گئے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو نبوت عطا ہوئی اور حکم ہو رہا ہے کہ اب جاؤ فرعون سے بات کرو، پھر فرعون سے بات ہوئی، مقابلہ جاری رہا، برسوں اُس مقابلے میں لڑے، کوئی ایک دو دن کی بات نہیں تو اتنے عرصے بعد جا کر فرعون اور اُس کے لشکر غرق ہوئے اور اقتدار و اختیار بنی اسرائیل کے پاس آگیا۔ وہ قادر تھا جب اس نے ارادہ فرمایا فرعونیوں کو موت کی نیند سُلا دیتا، انہیں بادشاہ بنا دیتا لیکن یہ اُس کا نظام ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ یہ ایسا ہو جائے اور ہمیں پتا ہی نہیں کہ ہمارے حق میں بہتر بھی ہے یا نقصان دہ ہے یا ایسا ہوگا تو کیا ہوگا۔ پھر ہم تھوڑی دیر بعد دائیں بائیں دیکھتے ہیں کہ ابھی ایسا ہوا تو نہیں۔ کائنات کا نظام اتنا مربوط ہے کہ آپ ایک ذرے کو ہلاتے ہیں تو ساری کائنات ہلتی ہے۔ ایک ذرہ یہاں سے یہاں ہوگا تو یہاں سے کوئی ذرہ آگے جائے گا جو آگے جائے گا وہ اور کسی کی جگہ لے گا، وہاں والا اور آگے جائے گا۔ یہ کائنات کے دوسرے سرے تک حرکت جاتی ہے، جدھر سے یہ آیا ہے جو جگہ اس نے خالی کی ہے وہاں کوئی اور آئے گا جو وہ خالی کرے گا کوئی اور آجائے گا، یہ کائنات کے اُس سرے تک ہے اللہ اُس سارے نظام کو دیکھ کر چلاتا ہے ہمیں صرف وہ ذرہ یاد ہے جسے ہم ہلانا چاہتے ہیں تو اللہ چیزوں کے اسباب پیدا فرماتا ہے، اسباب کے نتائج آتے ہیں تب تبدیلی آتی ہے، فرمایا: ہم نے ارادہ کیا کہ اُن کمزوروں پر احسان فرمائیں اور ان کو اقتدار و اختیار دیں تو تب موسیٰؑ پیدا ہوئے، جوان ہوئے، شاہی محلات میں تربیت سیاسیات کی لی اور دینیات اور باطنی امور کی تربیت حضرت شعیبؑ کے پاس ہوئی پھر جب جوان بالغ ہوئے، بچے ہوگئے، اولاد ہوگئی پھر نبوت عطا ہوئی، پھر فرعون سے مقابلے کا حکم ہوا، مقابلے ہوتے رہے، معجزات دکھاتے رہے اور بالآخر ہجرت کا حکم ہوا، میرا خیال ہے پچاس ساٹھ سال تو لگ گئے ہوں گے کم از کم اور پھر فرعونی تباہ ہوگئے۔

یہ رب کریم کا ایک نظام ہے اس نظام کو چلانے کے لیے جو اسباب بنتے ہیں ان میں بعض لوگوں کو بھی ان اسباب میں سے کوئی سبب بنا دیا جاتا ہے۔ اس کی بڑی واضح مثال خضرؑ کی ہے جو قرآن حکیم میں آئی ہے۔ خضرؑ بھی تو ایک ولی اللہ تھے نبی نہیں تھے۔ ولی اللہ تھے، بنی اسرائیل میں سے تھے اور زندگی میں بھی اُن کے پاس منصب تھا، قطب مدار تھے اللہ نے ان کو تکوینی امور پر لگا دیا تھا۔ بعض اہل اللہ کی ارواح پاکیزگی اور طہارت میں اوصافِ ملکوتی اختیار کر لیتی ہیں اور فرشتوں کی طرح ہو جاتی ہیں۔ اس قدر منزہ، صاف ہو جاتی ہیں کہ ان میں اوصافِ ملکوتیت آجاتی ہیں، ملائکہ کی طرح وہ صاف شفاف ہو جاتی ہیں اور قدرت اُنہیں تکوینی امور پہ لگا دیتی ہے جیسے خضرؑ کو تکوینی امور پر لگا دیا۔

ہمارے حضرات بھی بڑی زیادتی کرتے ہیں۔ میں نے ایک دفعہ قرآن کی کسی ترجمے یا تفسیر میں پڑھا کہ موسیٰؑ، خضرؑ کشتی میں سوار ہوئے، خضرؑ نے کلہاڑا لیا اور کشتی توڑ دی اب کوئی بندہ لکھنے والے سے یہ پوچھے کہ جب کلہاڑے سے کشتی توڑ رہے تھے تو اعتراض تو صرف موسیٰؑ نے کیا باقی کشتی والوں کو کیوں نظر نہیں آئے؟ باقی بھی تو شور مچاتے۔ حق یہ ہے کہ یہ تکوینی معاملہ تھا انہوں نے اشارہ کیا کرامت کے طور پر کشتی میں بال آگیا۔ کلہاڑے سے توڑتے تو ساری کشتی پکار اُٹھتی بھئی، مالک ہی نہیں، سوار بھی چیخ اُٹھتے کہ کیا ہمیں غرق کرنے کا ارادہ ہے جو کشتی توڑ رہے ہو لیکن ہماری قوم انتہا پسند ہے جو اُس طرف جاتا ہے وہ اُس انتہا پر چلا جاتا ہے جو ادھر جاتا ہے وہ اس انتہا پر چلا جاتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اشارہ فرمایا تو ہنستا بستا، کھیلتا ہوا بچہ مر گیا، موسیٰؑ نے کہا ایک معصوم کو قتل کر دیا، اب موسیٰ

دیکھ رہے تھے اور تو کسی نے اعتراض نہیں کیا؟ بستی میں کوئی شور نہیں ہوا، یہ پتا چلا بچہ کھیلتا کھیلتا مر گیا۔ کوئی مقدمہ درج نہیں ہوا۔ آگے گئے تو کسی کی دیوار بنادی لیکن یہ تو نہیں کہ مستری کی طرح وہاں گارا بنایا، پتھر اُکھیڑے، مکان کے نیچے ٹیکیں لگائیں، اُن پر کھڑا کر کے چھت بنائی ایسا ہوتا تو وہاں ہاتھ پاؤں لگتے، انہوں نے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرما دیا تو وہ ہو گئی۔ یہ وہ امور تھے جو تکوینی طور پر اللہ کے فرشتوں کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اُن کی روح میں بھی اوصاف ملکوتیت تھے اور اللہ نے انہیں اس کام پر لگا دیا۔ دنیا کے بعض امور جس طرح سورج سے کتنے امور وابستہ ہیں، ایک چیونٹی کے انڈے سے لے کر ہاتھی تک کو زندگی کی حرارت یہی دیتا ہے۔ ایک ادنیٰ سی جڑی بوٹی، پھولوں، پھل دار درختوں اور فصلوں کے بیجوں کو گرمی دے کر یہی اُگاتا ہے، یہی اُن پر پھل پکاتا ہے، یہی سمندر سے بھاپ بناتا ہے جن سے بادل بنتے ہیں جو آگے جا کر بارشیں برساتا ہے لیکن کیا سورج کو پتا ہے کہ اس سے کیا کیا ہو رہا ہے؟ کچھ نہیں پتا۔ اس کا تعلق بھی اُس سے نہیں کہ اُسے پتا ہو، جو چیزیں اللہ نے اُس سے وابستہ کر دی ہیں وہ ہو رہی ہیں۔ ستاروں سے، چاند کی روشنی سے کتنی چیزیں وابستہ ہیں۔ جب چاند پورا ہوتا ہے تو سمندروں میں مدوجزر آتا ہے۔ عجیب بات ہے سارا سمندر اوپر تلے ہو جاتا ہے۔ برسوں پہلے کی بات ہے سویڈن والوں نے اپنی بندرگاہ کے نزدیک یہ چاہا کہ سمندر میں طلاطم نہیں آنا چاہیے، سویڈن عجیب ملک ہے اور بہت امیر ملک ہے اور سمندر کے نیچے بھی بہت سے شہر بسا رکھے ہیں۔ سمندر کی گہرائی سے نیچے زمین کھود کر اس میں بھی شہر بسا رکھے ہیں تو بندرگاہ میں بھی پانی اوپر نیچے ہوتا تھا تو انہوں نے سمندر میں دیوار بنادی۔ ایک حد (Limit) تک کہ اس سے اندر پانی میں مدوجزر نہ آئے، پانی اوپر نیچے نہ ہو سا کن رہے۔ ہوا یہ کہ اللہ کی شان جتنی مچھلیاں اس دیوار کے اندر آئیں کچھ عرصے بعد ساری مر کر اوپر تیرنے لگیں، ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا، ہمارے ہاں تو بندے بھی مر جائیں تو افسوس کر کے بھول جاتے ہیں وہ ہیں تو غیر مسلم ممالک لیکن وہاں جانور بھی مر جائے تو شور اُٹھتا ہے کہ یہ کیوں مرا ہے؟ چھان بین ہوئی کہ اتنی ساری مچھلیاں کیوں مریں؟ تحقیق کی تو پتا چلا کہ جب پانی میں مدوجزر آتا ہے تو پانی مکس (Mix) ہوتا ہے، اوپر کا پانی Richoxygen ہوتا ہے، نیچے یہ جانور آکسیجن Suck کرتے رہتے ہیں تو اس میں آکسیجن کم ہو جاتی ہے جب یہ پانی ملتا ہے اور اس چاند کی چودھویں کو یہ سارا اوپر تلے ہو جاتا ہے تو نیچے بھی آکسیجن کا ذخیرہ بھر جاتا ہے تو جب پانی میں مدوجزر نہیں آیا، مکس (Mix) نہیں ہوا تو نیچے جو مچھلیاں تھیں وہ مر گئیں۔ چنانچہ وہ دیوار ہٹا دی گئی۔ اب چاند کو کیا خبر کہ سمندری حیات کا مدار میری روشنی کے ساتھ مدوجزر پر ہے۔ یہ اس کا اپنا کام ہے کہ اس روشنی میں یہ تاثیر رکھی کہ پانی میں مدوجزر پیدا کرتی ہے۔ وہ قادر تھا، سمندر میں نیچے آکسیجن نہ ختم ہونے دیتا لیکن اُس نے اُس کے ذرائع اور اسباب بنا دیئے۔

آپ کے پاس ایک پورا علم نجوم ہے۔ آپ اندازہ لگاتے ہیں فلاں ستارہ فلاں خانے میں ہے، یہ فلاں بندے کا فلاں ستارہ ہے، اس کا یہ ہوگا، وہ ہوگا وہ اندازہ غلط بھی ہوتا ہے، صحیح بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح طبیب نبض پہ ہاتھ رکھتا ہے ایک رگ ہے دھڑک رہی ہے، میں بھی رکھوں تو دھڑک رہی ہے، آپ بھی رکھیں تو دھڑک رہی ہے وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس میں یہ خرابی ہے، وہاں خرابی ہے، ہمیں سمجھ نہیں آتی۔ اُن حرکات کے نتائج کا علم ہے اس کے پاس۔ اُن حرکات کی، ہمیں صرف حرکت سمجھ آتی ہے وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ حرکت کون سی ہے، کیسی ہے، دھیمی ہے، زور سے ہے، کس انگلی کے نیچے ہے، کتنے زور سے ہے، گہری ہے کتنی باریک ہے بہت سے اُس کے ہیں جو وہ جانتا ہے اور اُن کے نتائج جانتا ہے وہ کہتا ہے ایسی نبض ہے اس کو یہ یہ تکلیف ہے۔ ڈاکٹر جو اسٹیتھوسکوپ سے سنتا ہے وہ بھی تو ٹھک ٹھک ہی سنتا ہے ہم بھی اسٹیتھوسکوپ لگا لیں کسی کے سینے پر رکھیں ٹھک ٹھک ہمیں بھی سنائی دے گی لیکن ہمیں پتا نہیں چلے گا کہ اس سے کیا مراد ہے۔ وہ ٹھک ٹھک سے اندازہ لگا لیتا ہے کہ اسے یہ تکلیف ہے تو یہ اس کے پاس ان اسباب کے نتائج کا علم ہے۔ اسی طرح علم نجوم میں

ستارہ شناسوں کے پاس ستاروں کی حرکات کا علم ہے وہ اندازہ لگاتے ہیں اب کوئی کہے کہ نباض کا نبض دیکھنا وحی کی طرح یقینی ہے تو یہ کفر ہوجائے گا، اندازہ ہے صحیح بھی ہوسکتا ہے غلط بھی ہے۔ ڈاکٹر کا اسٹیتھو سکوپ وحی کی طرح قطعی نہیں ہے اس کا اندازہ صحیح بھی ہوسکتا ہے یہ تو سارے اسباب ہیں۔ ان کو سب جانتے ہیں اسی طرح تکوینی امور کے لیے بعض اولیاء اللہ کو جن کی ارواح اوصاف ملکوتیت اختیار کر لیتی ہیں، عالم ملکوت سے مشابہت اختیار کر لیتی ہیں۔ اللہ کریم بعض امور کو اُن وجودوں سے وابستہ فرمادیتے ہیں۔ اب ضروری بھی نہیں کہ صاحب منصب کو یہ علم ہو کہ میرے پاس یہ منصب ہے، یہ بھی ضروری نہیں کہ اُسے علم نہ ہو بعض کو علم ہوتا ہے، بعض کو خود بھی یہ علم نہیں ہوتا کہ میرے پاس یہ منصب ہے لیکن اس منصب کا کام ان کی ذات سے وابستہ ہو کر ہوتا رہتا ہے۔ تو یہ ہوتے ہیں مناصب اولیاء۔ آپ ساری دنیا کے بارے ان سارے اسباب کو مانتے ہیں تو یہاں آ کر کیوں آپ کو روڑہ اٹک جاتا ہے وہ مسبب الاسباب ہے، اسباب وہ پیدا کرتا ہے اُن سے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

جس طرح ظاہری دنیا میں سورج سے، چاند سے، ستاروں سے امور وابستہ ہیں اسی طرح باطنی دنیا میں، روحانی دنیا میں اہل اللہ کے بعض وجودوں سے امور وابستہ ہیں۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں کہ وفات کے بعد ان کی روح بھی اوصافِ ملکوتی حاصل کر گئی تھی۔ اب اللہ بہتر جانے اور کتنے لوگ ہوں گے، کتنے ایسے ہیں جو اس دنیا میں موجود ہیں اور ان اوصاف کی وجہ سے اللہ اُن کے ساتھ بعض امور وابستہ کر دیتے ہیں۔ کسی کو نجیب بنا دیتے ہیں کسی کو ابدال بنا دیتے ہیں۔ کسی کو قطب بنا دیتے ہیں کسی کو غوث بنا دیتے ہیں تو یہ منجانب اللہ ہے اور وہی حتمی طور پر جانتا ہے کہ کون قطب ہے، کون غوث ہے اور کون نہیں ہے اور اگر کوئی ہے بھی تو ہمیں اُس سے کیا، کیا ہم نے سورج سے کبھی کوئی مدد مانگی ہے، کبھی چاند سے کوئی مدد مانگی ہے؟ ہمیں اپنے اللہ سے مانگنا ہے، اللہ کی عبادت کرنی ہے لیکن نیک لوگوں کا، بھلے لوگوں کا ایک اپنا احترام کا رشتہ ہوتا ہے، محبت کا، پیار کا رشتہ ہوتا ہے وہ اخلاقی طور پر ہمارا فرض بنتا ہے اور اُن کا حق بنتا ہے۔ وہ الگ بات ہے تو یہ ایک بات صوفیاء کے منازل کی ہے اور ایک مناصب کی اب یہ ضروری نہیں کہ جس کے منازل زیادہ ہوں اُس کو مناصب بھی زیادہ ملیں۔ یہ ہر ایک کی اپنی اپنی کیفیت ہے اور اُس کی اپنی عطا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک گریجویٹ ایک بی-اے آپ کا گورنر ہو، ہوسکتا ہے ایک مڈل پاس آپ کا وزیر ہو، ہوسکتا ہے ایک پرائمری پاس آپ کا وزیر ہو اور ہوسکتا ہے کہ آپ کا پی-ایچ-ڈی بے روزگار رہو، اب علم تو اس کے پاس زیادہ ہے منصب اس کو ملنا چاہیے۔ پڑھے لکھے لوگ یونیورسٹیوں میں بیٹھے ہیں اور اُن سے پڑھ کر جانے والے صدر اور وزیراعظم بنے ہوئے ہیں تو یہ مناصب اللہ کی تقسیم ہیں، وہ خود دیکھتا ہے، کس کو کس چیز کا سبب بنانا ہے، جسے بنانا ہوتا ہے اُسے استعداد بھی دے دیتا ہے اور منصب بھی، سب کچھ اُسی کی طرف سے ہوتا ہے۔ جن کے پاس مراقبات ہیں اُن کی اپنی ایک اہمیت ہے، اللہ نے اُن پر اپنا احسان کیا ہوا ہے، جن کے پاس مناصب ہیں اُن کی اپنی ایک حیثیت ہے تو میرے خیال میں اعتدال میں سلامتی ہے ان چیزوں میں حد سے آگے بھی نہیں جانا چاہیے اور انکار کی طرف بھی نہیں جانا چاہیے سلامتی اعتدال میں ہے۔ رہی یہ بات کہ کوئی غوث، قطب ہمارا کیا کرے گا؟ وہ ہم نے خود کرنا ہے، خود نہیں کریں گے تو کوئی کیوں کرے گا؟ اللہ کریم سے اپنا تعلق درست کیجیے۔ اپنے معاملات اللہ پاک سے رکھیے۔ آپ اگر تصوف کے طالب ہیں تو میں نے تصوف کے مراقبات کی بھی مناسب حد تک تشریح کر دی، اُس کیفیت کو پانے کی کوشش کیجیے۔ اللہ آپ سب کو عطا فرمائے۔

ہمارے سلسلے کا نام نقشبندیہ اویسیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے شاگردوں کی تربیت نقشبندیہ طریقہ کے مطابق کرتا ہوں اور میں نے اپنے محبوب شیخ رحمۃ اللہ کی روح سے اخذ فیض اور اجازت لی ہے۔ میرے اور میرے شیخ مکرم کے درمیان کوئی ۴۰۰ سال کا فاصلہ ہے، میں نے اسی اویسی طریقہ سے اپنے شیخ کی روح سے فیض بھی حاصل کیا، خلافت بھی ملی، اور بحمد اللہ میرے محبوب شیخ کا فیض تربیت اس وقت دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل رہا ہے۔ (دلائل السلوک از حضرت مولانا اللہ یار خان صاحبؒ)

گزشتہ سے پیوستہ

ذکرِ خفی قلبی

تحریر وتقریر
حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی
ترتیب
مولانا محمود خالد صاحب بہاولپور

جس کام کی بندے میں طاقت نہیں یا جو کام بندہ کر نہیں سکتا اس کا اسے مکلف ہی نہیں ٹھہرایا گیا ایک بندہ کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، وہ کھڑا ہو کر پڑھنے کا مکلف ہی نہیں حالانکہ نماز کا قیام فرض ہے لیکن وہ کھڑا نہیں ہو سکتا تو وہ فرض اس سے ساقط ہے بیٹھ کے پڑھے۔ ایک بندہ بیٹھ بھی نہیں سکتا وہ لیٹ کر اشارہ سے پڑھ لے۔ اس پر وہ بھی ساقط ہے یعنی جو کام کر نہیں سکتا اس کا وہ مکلف نہیں ہے۔ اب اگر بندہ ذکرِ دوام کر نہیں سکتا۔ ذکرِ دوام کا اسے حکم کیوں دیا جاتا ہے؟ اگر یہ ممکن نہ ہوتا کہ بندے کے دل میں ہر وقت اللہ کا نام گونجتا رہے تو پھر اس کا حکم کیوں دیا جاتا؟ اگر حکم دیا جا رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ بندے کے بس میں ہے۔ کیسے بس میں ہے؟

نبی ﷺ کا عہدِ زریں جن خوش نصیبوں نے پایا تو نگاہِ عالی کی ایک برکت تھی۔ کسی کی نگاہ محمد رسول اللہ ﷺ کے وجودِ عالی پر پڑ گئی یا آپ ﷺ کی نگاہ اس کے وجود پر پڑ گئی ایک نظر کی بات تھی فرمایا: ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (الزمر:23) پھر ان کے بدن اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

کھال سے لے کر نہاں خانۂ دل تک، نہ صرف ان کا دل ذاکر ہو گیا بلکہ وجود کا ہر ذرہ ذاکر ہو گیا۔ کھال کا ہر ذرہ، گوشت کا ہر ذرہ، رگ و ریشے کا ہر ذرہ، پٹھے ہڈیوں کا ہر ذرہ، ہڈیوں میں گودا ہے دل تک، دل سے لے کر کھال تک ہر باڈی سیل جو ہے وہ ذاکر ہو گیا۔ اور یہ کرم تو ہوا صحابہ کبار رضی اللہ عنہم اور جنہوں نے وہ عہد زریں نہیں پایا وہ کیا کریں؟ ان میں سے بھی جس کسی کو صحابیؓ کی ملاقات نصیب ہو گئی اس کا وجود ذاکر ہو گیا، وہ تابعیؒ بن گیا۔ جن کو تابعینؒ کی صحبت نصیب ہوئی وہ تبع تابعیؒ بن گیا اور اس کا بھی انگ انگ ذاکر ہو گیا۔ اب تبع تابعینؒ کا دور بھی گزر گیا تو بعد والے کیا کریں؟ سارے کا سارا دین وراثتاً صحابہؓ سے تابعینؒ کو تابعینؒ سے تبع تابعین کو حتیٰ کہ آج تک منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔

قلبی کیفیات اور ذکرِ دوام بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی عطا ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے صحابہؓ کو نصیب ہوئیں، صحابہؓ سے تابعین کو، تابعینؒ سے تبع تابعینؒ کو پھر جس طرح شعبے تقسیم ہو گئے کہ کچھ لوگ محدث کہلائے، انہوں نے حدیث کی خدمت کی۔ کچھ لوگ مفسر کہلائے انہوں نے تفسیر کی خدمت کی اور قرآن کریم کے معانی اور مفاہیم اگلی نسلوں تک پہنچائے۔ کچھ لوگ فقیہ کہلائے اور انہوں نے شرعی مسائل فقہ آگے تک پہنچائے۔

کچھ لوگ ولی اللہ کہلائے، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے یہ شعبہ سنبھالا کہ ذکرِ قلبی کیسے ہو، کس طرح سے اس کی کیفیت نصیب ہو؟ (فقہا، محدثین، مفسرین کی طرح) اولیاء اللہ کا اور صوفیا کا ایک طبقہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ سے، صحابہ کبارؓ سے تابعینؒ تبع تابعینؒ سے لے کر آج تک وہ نور بانٹ رہا ہے جو دلوں کو زندہ کر دیتا ہے۔

دل کیسے ذاکر ہو؟ ذکرِ خفی کے قرآنی اصول

دل کو کیسے ذاکر کریں؟ اللہ نے اس کا پورا طریقہ بتا دیا، ارشاد ہوتا ہے: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اپنے پروردگار کو یاد کر فِيْ نَفْسِكَ اپنے دل ہی دل میں تَضَرُّعًا عاجزی سے وَخِيْفَةً اس کی عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہیبت الٰہی کو تصور میں لاتے ہوئے وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بغیر آواز نکالے، زبان بند، خاموشی ہو، متوجہ الی اللہ ہو،

اپنی بے مائیگی کا احساس ہو بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ رات دن، صبح شام، ہمہ وقت، ہر لمحہ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ کوئی لمحہ ایسا نہ آئے کہ جس میں تو اللہ کا ذکر نہ کر رہا ہو، کبھی غافل نہیں ہونا۔

ذکر قلبی ہی کیوں؟

آپ سے جو لوگ یہ سوال کرتے ہیں ذکر قلبی کیوں کرتے ہو تو انہیں کہیے کہ سورۃ الاعراف کی آیت 205 کا کوئی عملی نمونہ بنا کر دکھائیں کہ دل میں اللہ کی یاد رہے اور لب سے آواز نہ نکلے، عجز وتضرع اور زاری کی کیفیت ہو اور بھول کا کوئی لمحہ نہ آئے۔ نیند اور بے ہوشی، قلب سے یادِ الٰہی کا تسلسل ختم نہ کر سکے۔ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کیا یہ پاسِ انفاس کا طریقہ عہد نبوی ﷺ میں تھا؟ بھئی طریقہ ذکر تو مقصود ہی نہیں، مقصود تو ذکر الٰہی ہے چونکہ کوئی طریقہ مقرر نہیں فرمایا گیا۔ اس لیے ہر وہ طریقہ جس میں شرعی قباحت نہ ہو جو شرعاً منع نہ ہو جائز ہے۔

ذکر کا حکم قرآن میں موجود ہے قرآن نے مطلق ذکر کا حکم دیا ہے اس میں قید نہیں لگائی کہ کھڑے ہو کر کرو یا بیٹھ کر (مزید مطالعہ کے شوقین ''طبیب دل تلاش کرو'' ص:14 تا آخر مطالعہ کریں۔) اس میں جو شرائط رکھی ہیں وہ صرف یہ ہیں:

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ پہلی شرط یہ ہے کہ ذکر دل میں ہو۔

تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً دوسری شرط یہ ہے کہ نہایت عاجزی نہایت مسکنت سے، ضرورت مند بن کر ہو۔ وَ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ تیسری شرط یہ ہے کہ اس میں زبان کی آواز شامل نہ ہو، کھپ نہ ڈالو، دوسروں کو پریشان نہ کرو، ایسا ذکر کرو کہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ہو۔ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ چوتھی شرط یہ ہے کہ یہ ہمہ وقت ہو، اس میں انقطاع نہ آئے۔ Round the clock ہو، اردو میں اسے کہتے ہیں صبح وشام۔

وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ پانچویں شرط یہ ہے کہ کوئی لمحہ غفلت کا نہ آئے۔ قلبی ذکر کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں کہ غفلت سے بچا جائے۔ سونے میں، بے ہوشی میں بھی قلب چلتا رہتا ہے۔ جب تک موت نہیں آتی یہ چلتا رہتا ہے۔ یہ پرزہ انسان کے بدن میں ایسا ہے جو کبھی نہیں رُکتا، اسے قلب کہتے ہیں، فرمایا: اپنے دل کی گہرائیوں سے مجھے یاد کرنا کہ غفلت نہ آئے۔ دل نے تو اپنا کام کرتے رہنا ہے وجود کسی بھی کام میں مصروف ہو، سفر میں حضر میں ہو، جاگ رہا ہو، سو رہا ہو، بندہ بیمار ہو یا صحت مند ہو، یا بات کر رہا ہو یہ دھڑکتا رہتا ہے اس کی دھڑکن نہیں رُکتی۔ جس دن رُکے گی وہ دن بندے کا آخری دن ہوگا۔ اس لیے فرمایا کہ رکنے والے عضو میں اللہ کی یاد کو بسالو۔

یہ شرائط تو مقرر کی ہیں کوئی طریقہ مخصوص نہیں کیا گیا کہ بیٹھ کر کر رہے ہو، لیٹ کر کر رہے ہو، کس طرح کر رہے ہو، طریقہ مقصد نہیں ہے، ذکر مقصد ہے۔ اس لیے کوئی بھی طریقہ جس میں شرعی قباحت نہ ہو، اس طریقے سے ذکر کرنا جائز ہے۔

طریقۂ ذکر پر اعتراض:

آج 10-08-2007 احباب پوری دنیا سے آئے ہوئے ہیں۔ امریکہ کے دوست بھی موجود ہیں یورپ، اٹلی، مڈل ایسٹ اور ہندوستان کے ساتھی بھی آئے ہوئے ہیں ہر جگہ ساتھیوں پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ طریقہ ذکر جو ہم نے اپنا رکھا ہے وہ درست نہیں ہے تو احباب یاد کرلیں یہ سورۃ اعراف کی 205 نمبر آیت ہے۔ قرآن حق ہے اس کی ہر آیت حق ہے معترضین سے کہیے اس آیت کا مقصد کیا ہے؟ اس میں جو حکم ہے اس کے پورا کرنے کی کیا صورت ہے؟ آپ اس آیت کے مصداق طریقہ بتایئے وہ طریقہ بتایئے جس سے اس آیت کا جو حکم آیا ہے، وہ پورا ہو اور اگر آپ نہیں بتا رہے تو کیا آپ ہم سے اللہ کی یاد چھڑانا چاہتے ہیں اگر کوئی اس آیت کا حکم پورا نہیں کر رہا تو اُسے سوال کرنے کا حق بھی نہیں۔

ذکر فرض عین

علماء حضرات تشریف رکھتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ جو حکم نص قرآنی سے منصوص ہو وہ فرض عین ہوتا ہے جیسے فرمایا گیا اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ تو نماز فرض عین ہوئی۔ روزے کا حکم آیا تو روزہ فرض عین ہوگیا۔ حج کا حکم آیا اپنی شرائط کے ساتھ وہ فرض عین ہوگیا، جو حج کی استطاعت رکھے اس پر فرض ہے جہاں اپنی شرائط کے ساتھ فرض ہے

اور ذکر اللہ کا حکم آٹھ سو بار سے زائد آیا تو کیا وہ فرض نہیں ہوا؟ اسی لیے قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیرِ مظہری میں ہر مرد و عورت پر ذکرِ قلبی واجب لکھا ہے۔

لیکن ذکر کیسے کرے یہ اللہ کا کلام پاک بتاتا ہے اصول دیتا ہے شرائط حدود مقرر کرتا ہے، آپ ہمیں کہتے ہیں اسے قرآن سے ثابت کریں۔

ہمارا طریقۂ ذکر

ہم اس آیت کے مطابق ذکر اللہ کرتے ہیں آپ کو یہ طریقہ پسند نہیں، آپ ہمیں وہ طریقہ بتا دیں کہ جس طرح کرنے سے اس آیت کا مفہوم پورا ہو جاتا ہو اور اگر آپ کے پاس نہیں ہے تو آپ بھی ہمارے ساتھ بیٹھئے اللہ اللہ ہی تو کرنا ہے۔ نماز آپ رفع یدین سے ادا کرتے ہیں تو کیجئے آپ سینے پہ ہاتھ رکھتے ہیں تو رکھئے آپ نے داڑھی رکھی ہوئی ہے یا نہیں رکھی ہوئی، بڑھائی ہوئی ہے یا نہیں بڑھائی، ہمیں کوئی اعتراض نہیں، آپ ہمارے ساتھ بیٹھ کر چند دن ہمارے بتائے ہوئے طریقے سے ذکر کرلیں گھوڑا بھی حاضر ہے، میدان بھی موجود ہے۔ اس طریقے سے اس آیت کی ساری شرائط پوری ہوتی ہیں اس طریقے سے قلب بھی ذاکر ہو جاتا ہے، آواز بھی بلند نہیں ہوتی کوئی لمحہ غفلت کا بھی نہیں آتا۔ ویسے تو قرآن حکیم میں جگہ جگہ ذکر کا حکم موجود ہے لیکن اس آیت کریمہ میں یہ مطالبہ اپنی پوری شرائط کے ساتھ موجود ہے۔ جنہیں اعتراض ہے اس طریقہ ذکر پر وہ ہمیں کوئی جواب تو دیں کہ ہم کیا کریں کہ اس آیت کا مفہوم پورا ہو۔ یہ طریقہ ہم نے تو ایجاد نہیں کیا، صحابہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مبارک نے اس آیت کا مصداق بنا دیا۔ انہیں یہ پکا پکایا پھل ملا۔ انہوںؓ نے اسے ایسے ہی تابعینؒ اور تابعینؒ نے ایسے ہی تبع تابعینؒ کو منتقل کر دیا۔ تبع تابعینؒ کے بعد لوگوں کو بیج ملا انہوں نے اسے زمین دل میں بویا محنتیں کیں، زندگیاں اسی کام میں صرف کر دیں پھر جا کر اس پر پھل لگا وہ بیج ہم تک پہنچا، ہمیں اسے اپنے قلب کی زمین پر بونا ہے، اسے یادِ الٰہی کا پانی دینا ہے، ہمیں مجاہدہ کر کے اسے تناور بنانا ہے، اسے شیطانی اعمال سے تحفظ دینا ہے، یادِ الٰہی کی باڑ لگانی ہے، ہمیں غفلت سے بچنا ہے تاکہ یہ دل میں پھیلے اس پر خوشبودار پھول آئیں، پھل لگیں اور آنے والوں کو شاید ہم اس کا بیج دے کر جائیں ہم اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتے، مشائخ کے تجربے ہیں اسی لیے سلاسل تصوف میں ذکر کے مختلف طریقے رائج ہیں، سب طریقے درست ہیں کسی پر شرعی گرفت نہیں اور طریقہ ذکر مقصود بھی نہیں۔ ذکر مقصود ہے یادِ الٰہی مقصود ہے۔

فرض طریقہ ذکر نسبت اویسیہ و دیگر سلاسل

ہمارے پاس نسبت اویسیہ کا طریقہ ذکر ہے اس میں اور دیگر طریقہ ہائے ذکر میں ایک فرق ہے وہ یہ ہے کہ باقی طریقہ ہائے ذکر دیسی دواؤں کی طرح ہیں ان میں اعلیٰ قیمتی جڑی بوٹیوں کو کوٹ چھان کر معمولی معمولی خوراکوں سے شروع کروایا جاتا ہے۔ مسلسل اور طویل طریقہ علاج ہے جب کہ نسبتِ اویسیہ انجکشن ہے ایک ٹیکہ لگے تو سارے وجود میں اثر پھیل جاتا ہے ہم ایک نگاہ کرتے ہیں، سارا وجود ذاکر ہو جاتا ہے۔

''لذت ایں مے بخدا نشناسی تا نہ چشی''

جس نے چکھا ہی نہیں وہ اعتراض کرتا ہے۔ اس کے اعتراض کی حیثیت ہی کیا ہے؟

ذکر پاس انفاس پر اعتراض

بعض لوگ نہ سمجھتے ہوئے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ذکر سانس سے یا ناک سے کیوں کیا جائے؟ اصل بات یہ ہے کہ ناک سے ذکر کیا ہی نہیں جاتا۔ آپ اسے بڑی توجہ سے سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ ہم سانس صرف تیزی سے لیتے ہیں، ذکر قلب سے کرتے ہیں، سانس تو ویسے بھی لیا جا رہا ہے، آرام سے بھی لیتے ہیں، تیزی سے بھی لیا جاتا ہے تو سانس لینا ایک الگ عمل ہے لیکن ذکر قلب سے کیا جاتا ہے سانس سے نہیں تو ذکر جب قلب سے کیا جاتا ہے تو سانس تیزی سے لینے کی کیا تک ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ناک کے ذریعے جب زور زور سے سانس لی جاتی ہے تو اس سے انسان کے وجود کے اندر ایک حدت اور حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ مادی وجود کے اندر انوارات

کو قبول کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ جب بدن میں حدت اور حرارت نہ رہے تو وہ انوارات جذب نہیں کرتا۔ اسی لیے آپ کسی میت پر لاکھ توجہ دیں، اس کے سارے ذرات بدن کو منور کر دیں تو جب آپ توجہ ہٹائیں گے تو وہ بدن پھر خالی ہوگا۔ اس لیے کہ اس میں وہ قوت جاذبہ نہیں رہی قبول کرنے کی استعداد نہیں رہی۔ زندگی میں یہی حال بدن کا بھی ہوتا ہے اس میں حرارت تو موجود ہے لیکن ان انوارات کو جذب کرنے اور قبول کرنے کے لیے اس حرارت کا ایک خاص درجہ چاہیے۔

جس طرح لوہے کو لوہے کے ساتھ جوڑنے کے لیے گرم کرتے ہیں، جس طرح سونے کو ٹانکہ لگانے کے لیے گرم کرتے ہیں، جس طرح چیزوں کو گرم کر کے یکجان کیا جاتا ہے اسی طرح خون کی حدت، انواراتِ بالا کو اپنے اندر جذب کرتی ہے۔ چونکہ یہ روح کی خصوصیات ہیں اور بدن روح کا مسکن ہے، یہ بدن جب تک از خود منور نہ ہو، روح کو بھی وہ نورانیت نصیب نہیں ہوتی اور روح منور ہو تو بدن بھی منور ہوتا ہے، بدن منور ہو تو روح بھی روشن ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں الگ الگ سمتوں میں نہیں جا سکتے کہ ایک کے لیے نور نازل ہو رہا ہو اور دوسرا ظلمت میں جا رہا ہو، یہ ممکن نہیں ہے۔ جتنی جتنی ان میں یکسوئی ہوتی جائے گی قوت جاذبہ اتنی زیادہ ہوتی جائے گی، اتنے انوارات مزید آتے چلے جائیں گے۔

اگر آپ طبعی طور پر آرام سے سانس لیتے رہیں اور اللہ اللہ کرتے رہیں تو ایک لطیفے کو منور کرنے کے لیے کئی برس لگیں گے یعنی وہ حدت جو اس لطیفے کے انوارات کو جزوِ بدن بنانے کے لیے ضروری ہے، اس پر کئی برس لگ جائیں گے اور اس کے ساتھ شرط یہ ہوگی کہ جو آپ کو توجہ دے رہا ہے، جو ذکر کرا رہا ہے، اس میں بھی یہ استعداد ہو کہ وہ آپ کا لطیفہ منور کر سکے جس کنویں سے آپ پانی لینا چاہتے ہیں اس میں اتنا پانی ہونا چاہیے کہ جو کیاری آپ سیراب کرنا چاہتے ہیں اس تک اس کا پانی پہنچ سکے۔

نبی کریم ﷺ پر جب کلام کا نزول ہوتا تھا تو ساتھ تجلیات باری ہوتی تھیں۔ تجلیات باری جب قلب اطہر ﷺ پر آتی تھیں تو خون میں حدت پیدا ہو جاتی تھی، قلب اطہر ﷺ کا عمل تیز ہو جاتا تھا اور وہ تیزی آپ ﷺ کے عمل تنفس سے ظاہر ہوتی تھی، سانس مبارک تیز ہو جاتی تھی تو اس قاعدے کو اساتذہ نے اُلٹایا کہ عمداً سانس تیزی سے لو، سانس تیزی سے لینے سے دل (قلب) تیزی سے حرکت کرے گا، تیزی سے دھڑکے گا، جب تیزی سے حرکت کرے گا تو خون میں حدت پیدا ہوگی اور خون کی حدت ان انوارات کے ساتھ رابطہ پیدا کرے گی جو شیخ کی توجہ سے قلب پر آ رہے ہیں اور قلب انہیں زیادہ سے زیادہ جذب کرے گا۔

ضرورت و اہمیت صحبتِ شیخ

یہ یاد رہے کہ قلبی اور خفی ذکر صرف صحبتِ شیخ سے نصیب ہوتا ہے اس کے علاوہ اس کے حصول کا کوئی راستہ نہیں اور قلبی ذکر کا ہر حال ذکرِ لسانی بھی بہت بہتر طور پر کرتا ہے مگر ہر ذکرِ لسانی کرنے والا ضروری نہیں کہ ذکرِ قلبی کو پالے کہ یہ نور دل کو منعکس ہوتا ہے۔

نیز یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جب تک کوئی حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ کرے جس طرح چاہے ذکر کر سکتا ہے اور اصل صورت حال یہ ہے کہ بندہ کبھی غافلوں میں شامل نہ ہو، کوئی لمحہ ایسا نہ آئے کہ یادِ الٰہی سے غفلت وارد ہو اس لیے کہ غفلت ہی موت ہے اور حضوری کا نام حیات ہے اور یہ دائمی یاد صرف ذکرِ قلبی ہی سے نصیب ہو سکتی ہے نہ کہ غفلت سے۔ اس لیے ذکرِ قلبی ضروری ہے جس کو ذکرِ (قلبی) نصیب نہیں ہے وہ ان لذتوں کو کیا جانے؟ اسے کیا خبر یہ کیا ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کو زندگی میں ذکر قلبی نصیب نہیں ہوا تو اگرچہ وہ بہت نیک بھی ہو تو یہ ایک محرومی ہے، اس کی حسرت اسے حشر کو ہوگی اور اگر ذکر بھی نصیب نہیں اور نیک بھی نہیں علم بھی نہیں رکھتا، دینی علم بھی نہیں رکھتا۔ نیک عمل بھی نہیں رکھتا تو وہ بہت بدنصیب ہے سو اللہ کریم نے ذکر خفی قلبی کا پورا طریقہ اس آیت کریمہ میں بتلا دیا اور فرمایا یہ قرب الٰہی کی دلیل ہے۔

عظمتِ طریقہ ذکر نسبت اویسیہ

نسبت اویسیہ نبی کریم ﷺ سے براہِ راست اور قریب ترین نسبت ہے اس میں آمد کا کوئی حساب نہیں ہے اور سمندر میں پیچھے آنے والے پانی کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ (اسی طرح) اس طریقہ ذکر کی عظمت کا اندازہ کریں کہ ایک دن کسی نے مجھے ایک صوفی کا قول پیش کیا کہ مجھے اس کی وضاحت کر دیں سمجھ نہیں آتی وہ یہ تھا کہ ''میں ایک مرتبہ سانس لیتا ہوں، دل ایک بار دھڑکتا ہے اور پانچ سو بار اللہ اللہ کہہ لیتا ہوں۔'' سوال یہ تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ میں نے کہا یہ ان کی اپنی کیفیت ہے اللہ انہیں نصیب کرے۔ ہمارے ہاں تو ہر ذرہ وجود بدن کا ہر Cell ذاکر ہو جاتا ہے کیا کوئی وجود کے Cell گن سکتا ہے نسبت اویسیہ کے طریقہ ذکر میں لمحے میں وجود کے سارے ذرات ذکر کرتے ہیں ہر سیل Cell اللہ ہو کہتا ہے۔ مجھ سے پانچ سو بار کی بات پوچھتے ہو یہاں تو پانچ ارب سے زیادہ ذکر اللہ ہوتا ہے یہاں بات گنتی سے بڑھ کر ان گنت ہو جاتی ہے۔

اللہ کریم یہ کیفیات، ان کی لذتیں عطا کرے، سنبھالنے کی توفیق دے، پورے خلوص کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا اتباع واطاعت نصیب ہو۔ اللہ توفیق دے کہ ہماری ناکارہ جان بھی اس کی راہ میں شہادت سے سرفراز ہو۔ اللہ اپنے ان بندوں میں شامل رکھے جو اس کی عظمت کے لیے زندگیاں بسر کرتے ہیں اور غفلت سے ہمیشہ ہمیشہ بچائے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین!

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمینo

آپس کی بات: (صفحہ نمبر 17 سے آگے)

تو داتا صاحب نے مجھے مسکرا کر فرمایا کہ جب تک ہم مکلف تھے ہم اس کام سے روکتے رہے اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے جب ہم دنیا سے چلے گئے تو ہماری ذمہ داری ختم ہوگئی۔ اس کے ذمہ دار اب تم لوگ ہو میں نہیں مجھے نہ بتاؤ۔ وہ بیچارہ ان پڑھ دیہاتی آدمی تھا، مسائل تو نہیں جانتا تھا حیران تھا کہ یہ کیا کہا۔ حضرتؒ نے فرمایا، سچ فرمایا، جب دنیا سے چلے گئے برزخ میں چلے گئے ان کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔ اب ہم تم پیچھے ہیں ہماری ذمہ داری ہے لوگوں کو سمجھائیں یہ کرنا ہے یا یہ نہیں کرنا تو اس طرح کے لوگ ہم نے دیکھے ہیں ہمارے ساتھ رہے ہیں۔ ایسے معاملات سیکھیں، کوشش کریں۔ میں نے آپ کا کافی وقت لے لیا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اپنا بوجھ اللہ کی طرف سے خود اُٹھاؤ، اللہ سے مانگو، محنت کرو، حلال روزی کماؤ، لوگوں سے اُمیدیں وابستہ نہ کرو کہ میں صاحب مجاز ہوں، امیر ہوں، لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ کسی کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ لوگوں کے معاملات میں دخل مت دو کہ تم وہ نوکری کرو، وہ نہ کرو، وہ رشتہ اِدھر دے دو، وہ اُدھر دے دو اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ کسی کے ذاتی معاملہ میں مداخلت نہ کرو۔ ہاں ہمارے ساتھ تعلق ہے تو ہم اس کے لیے دعا کر سکتے ہیں اور جس مسلمان کا ہم سے رشتہ نہیں ہے اس کے لیے بھی دعا کر سکتے ہیں ہم عالم انسانیت کے لیے بھی دعا کرتے ہیں جو مسلمان نہیں ہیں اللہ انہیں بھی دنیوی پریشانیوں سے بچائے۔ (آمین) جو کفر پر مرجائے تو اس کی بخشش کی دعا کرنا منع ہے ورنہ کافر کے لیے بھی ہدایت کی دعا مانگنا منع نہیں ہے اچھی بات ہے۔

میرا خیال ہے تقریر سے تو زیادہ وقت خرچ کر دیا ہے، باتوں میں وقت کا پتہ نہیں چلتا۔ وہ ساتھی جن کے آپ رشتے کراتے ہیں ان کا سدھر جائے تو کہتے ہیں کہ میں نے اپنی دانائی سے کیا اگر بگڑ جائے تو کہتے ہیں کہ فلاں صاحب مجاز نے اُجاڑ دیا فلاں امیر نے کہا تھا، جس کی بات بن جائے وہ سمجھتا ہے میں نے خود کیا ہے جس کی بگڑ جائے وہ پھر چار چار صفحے کے اتنے بڑے خط مجھے لکھتا ہے بھئی میں نے کیا گناہ کیا ہے میرا جرم اس میں کیا ہے نہ تم نے مجھے بتایا نہ اس امیر نے مجھے بتایا نہ صاحب مجاز نے مجھے بتایا تو پھر میری تختی آجاتی ہے اتنے لمبے لمبے خط میں بھی لے کے رکھ دیتا ہوں۔ میں کیا کر سکتا ہوں، میں تھانیدار لگا ہوں؟ تو میں نے یہ گزارشات اس لیے کی ہیں کہ ان پہلوؤں پہ نظر رکھیں، احتیاط برتیں، اللہ کریم آپ کو ان چیزوں سے بچائے (آمین) اپنے ساتھ وابستہ رکھے جو غلطیاں ہوگئی ہیں ان کی معافی دے، آئندہ گناہ سے محفوظ رکھے۔

واخر ودعوانا ان الحمدللہ رب العالمینo

قسط نمبر 1

ریا اور اُس کا علاج

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کیمیائے سعادت" سے انتخاب

ترجمہ: مولانا فخر الدین احمد صدیقی

ریا کے علاج کا بیان

جو عبادت اور طاعات میں ہوتی ہے

اے عزیز! اس بات کو جان کہ حق تعالیٰ کی عبادت میں ریا کرنا گناہ کبیرہ ہے اور شرک کے قریب ہے، پارسا لوگوں کے دل پر کوئی بیماری اس سے زیادہ نہیں ہے کہ جب عبادت کریں تو چاہیے کہ لوگ اس سے مطلع ہوں اور ان کی پارسائی کا اعتقاد کریں اور جب اعتقادِ خلق مقصود ہو تو شرک ہو جائے گا عبادت کرنے والے نے خدا کے ساتھ اور کو بھی عبادت میں شریک کر لیا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ جو شخص اپنے پروردگار کے دیدار کا اُمیدوار ہو اس سے کہہ دو کہ وہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اور فرماتا ہے: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ۔ یعنی افسوس ہے ان لوگوں پر جو سہو اور ریا کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ایک شخص نے جناب رسالت مآب ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ نجات اور رستگاری کاہے میں ہے؟ فرمایا کہ نجات اس میں ہے کہ تو حق تعالیٰ کی بندگی کرے اور لوگوں کے دکھانے کے واسطے نہ کرے اور فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لائیں گے اور کہیں گے کہ تو کیا عبادت رکھتا ہے، وہ کہے گا کہ میں نے اپنی جان خدا کی راہ میں فدا کی، کفار نے جہاد میں مجھے شہید کیا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ تو جھوٹ کہتا ہے تو نے اس واسطے جہاد کیا تھا تا کہ لوگ کہیں فلانا آدمی بڑا بہادر ہے اسے دوزخ میں لے جاؤ۔ اور دوسرے شخص کو لائیں گے اس سے پوچھیں گے کہ تو نے کیا عبادت کی ہے، وہ کہے گا کہ میں جو کچھ رکھتا تھا سب خیرات کر دیا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ تو جھوٹ کہتا ہے تو نے خیرات اس واسطے کی تھی کہ لوگ کہیں کہ فلانا آدمی سخی ہے اسے دوزخ میں لے جاؤ۔ پھر اور شخص کو لائیں گے اس سے پوچھیں گے کہ تو کیا عبادت رکھتا ہے وہ کہے گا کہ میں نے بڑی محنت سے علم سیکھا اور قرآن شریف پڑھا ہے۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹا ہے تو نے اس واسطے پڑھا تھا کہ لوگ کہیں فلانا شخص عالم ہے اسے دوزخ میں لے جاؤ۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی اُمت پر کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتا ہوں جتنا چھوٹے شرک سے۔ لوگوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ ارشاد کرے گا کہ اے ریاکارو تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کے واسطے تم نے عبادت کی تھی اور ان ہی سے اپنی جزا مانگ لو اور فرمایا ہے کہ جُبُ الحزن یعنی غم کے غار سے خدا کی پناہ مانگو۔ لوگوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ ریاکار عالموں کے واسطے دوزخ میں ایک غار ہے۔ اور فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد کرتا ہے کہ جس نے عبادت کی اور کسی اور کو میرے ساتھ شریک کیا، میں شریک سے بے نیاز ہوں، میں نے سب عبادت اس شریک کو دے دی۔ اور رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ اس عبادت کو قبول نہیں فرماتا جس میں ایک ذرہ ریا ہو۔ حضرت معاذؓ روتے تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو؟ کہا میں نے رسول مقبول ﷺ سے سنا

ہے کہ تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے اور فرمایا ہے کہ ریا کار کو قیامت کے دن یوں پکاریں گے کہ او ریا کار! او غدار! او نابکار! تیرا عمل ضائع ہوگیا اور اجر باطل ہوگیا اور اس شخص سے اجر مانگ جس کے واسطے تو نے عمل کیا تھا۔ حضرت شداد بن اوسؓ کہتے ہیں کہ رسول مقبول ﷺ کو میں نے دیکھا کہ رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ میری اُمت شرک کرے، یہ نہیں کہ بت پوجے یا آفتاب یا ماہتاب لیکن عبادت رو ریاء کے ساتھ کرے۔ اور فرمایا ہے کہ جس دن سایہ عرش کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا اس دن عرش کے سایہ میں وہ شخص ہوگا جس نے داہنے ہاتھ سے صدقہ دیا ہو اور چاہا ہو کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔ اور فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے جب زمین کو پیدا کیا تو وہ تھرتھرائی، پہاڑ کو پیدا کیا اس نے دبا لیا۔ ملائک نے کہا کہ حق تعالیٰ نے پہاڑ سے زیادہ قوی کوئی چیز نہیں پیدا کی۔ پھر لوہے کو پیدا کیا اس نے پہاڑ کو کاٹ ڈالا۔ ملائکہ نے کہا کہ لوہا پہاڑ سے بھی زیادہ قوی ہے۔ پھر آگ کو پیدا کیا اس نے لوہے کو گلا دیا۔ پھر پانی کو پیدا کیا اس نے آگ کو بجھا دیا۔ پھر ہوا کو حکم دیا اس نے پانی کو ایک جگہ ٹھہرا دیا۔ پس ملائکہ میں اختلاف پڑا۔ انہوں نے کہا ہم حق تعالیٰ سے پوچھتے ہیں کہ یا الہ العالمین! تیری مخلوق میں سب سے زیادہ قوی کیا چیز ہے؟ ارشاد ہوا کہ وہ آدمی جو داہنے ہاتھ سے اس طرح صدقہ دے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو، میں نے اس سے زیادہ قوی کسی کو نہیں پیدا کیا۔ حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے آسمان کو پیدا کرنے سے قبل سات فرشتے پیدا کیے۔ پھر آسمان کو پیدا کیا اور ہر ایک کو ایک ایک آسمان پر متعین کر دیا اور اس آسمان کی دربانی اسے دی۔ جب زمین کے فرشتے جن کو حفظہ کہتے ہیں وہ بندوں کے اعمال جو بندوں نے صبح سے شام تک کیے ہوں پہلے آسمان تک اُٹھا لے جاتے ہیں اور بندہ کی عبادت کی بہت تعریف کرتے ہیں اور اس نے ایسی عبادت کی ہو کہ اس کا نور آفتاب کے نور کے مانند ہو تو وہ فرشتہ جو آسمان پر متعین ہے کہتا ہے کہ یہ عبادت اسی بندہ کے منہ پر دے مارو کہ میں اہل غیبت کا نگہبان ہوں مجھے حق تعالیٰ نے حکم کیا ہے کہ جو شخص غیبت کرے اس کے عمل کو آگے نہ بڑھنے دینا۔ پھر جس نے غیبت نہ کی ہو اس کے عمل کو دوسرے آسمان تک لے جاتے ہیں اس پر جو فرشتہ متعین ہے وہ کہتا ہے کہ یہ عمل لے جا کر اس کے منہ پر دے مارو کیونکہ اس نے یہ عمل دنیا کے واسطے کیا ہے اور مجلسوں میں لوگوں پر فخر کیا اور مجھے حکم ہے کہ اس کے عمل روکوں۔ پھر اور شخص کے عمل لے جاتے ہیں ان میں روزہ نماز اور صدقہ ہوتا ہے۔ حفظہ ان اعمال کے نور سے تعجب میں ہوتے ہیں جب تیسرے آسمان تک پہنچتے ہیں تو فرشتہ کہتا ہے کہ میں کبر پر متعین ہوں کہ متکبروں کے عمل کو منع کروں کہ وہ لوگوں کے ساتھ تکبر کرتا ہے پھر اور کسی کے عمل چوتھے آسمان تک بلند کرتے ہیں کہ وہ عمل تسبیح اور نماز اور حج کی برکت سے ستاروں کی طرح درخشاں ہوتے ہیں اس آسمان کا فرشتہ کہتا ہے کہ یہ اعمال اسی بندہ کے منہ پر پٹک دو، میں موکل عجب ہوں، اس بندہ کا عمل بے عجب نہیں ہے میں اس کے عمل کو آگے نہ جانے دوں گا۔ پھر پانچویں آسمان تک اور کسی کے عمل لے جاتے ہیں یہ عمل حسن و جمال میں ایسے ہوتے ہیں جیسے وہ بنائی سنواری نئی دلہن جسے پہلے پہل دولہا کے گھر رخصت کرتے ہیں اس آسمان کا فرشتہ کہتا ہے کہ ان اعمال کو اسی بندہ کے منہ پر پھینک مارو اور اسی کی گردن پر لاد دو کہ میں حسد پر متعین ہوں جو شخص علم و عمل میں اس بندہ کے برابر ہوتا ہے یہ اس کا حسد کرتا ہے اور اس کے حق میں زبان دراز کرتا ہے۔ مجھے حکم ہے کہ حاسدوں کے اعمال کو باز رکھوں۔ پھر چھٹے آسمان تک اور کسی کے عمل لے جاتے ہیں ان میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عمرہ ہوتا ہے اس آسمان کا فرشتہ کہتا ہے کہ یہ عمل اسی بندہ کے منہ پر دے پٹکو کہ وہ ایسے شخص پر شفقت نہیں کرتا جسے کوئی رنج و بلا پہنچی ہو بلکہ خوش ہوتا ہے۔ میں فرشتہ زحمت ہوں مجھے حکم ہے کہ بے رحموں کے اعمال کی روک ٹوک کروں۔ پھر ساتویں آسمان تک اور کسی کے اعمال لے جاتے ہیں۔ یہ اعمال روزہ، نماز، نفقہ، جہاد، ورع سے بھرپور ہوتے ہیں اور ان کا نور ایسا ہوتا ہے جیسے

نورآفتاب اور بزرگی کے سبب سے رعد کی گھڑگھڑاہٹ کے مانندان کا نور آسمان پر پڑ جاتا ہے اور تین ہزار فرشتے ان کے ساتھ پہنچانے جاتے ہیں اور کوئی فرشتہ انہیں نہیں روک سکتا۔ جب ساتویں آسمان تک یہ اعمال پہنچتے ہیں تو فرشتہ کہتا ہے کہ یہ اعمال اسی بندہ کے منہ پر پھیر مارو اور اس کے دل پر قفل لگادو کیونکہ اس عمل سے خدا اسے مقصود نہ تھا بلکہ علماء کے نزدیک اپنی حشمت مقصود تھی اور شہروں میں اپنا نام اور شہرہ مقصود تھا۔ مجھے حکم ہے کہ اس کے اعمال کو راہ نہ دوں اور جو عمل خالصاً خدا کے واسطے نہیں ہوتا وہ ریا ہوتا ہے اور حق تعالیٰ ریا کار آدمی کے عمل نہیں قبول کرتا۔ پھر اور کسی کے اعمال اُٹھاتے ہیں اور ساتویں آسمان کے آگے بڑھا لے جاتے ہیں ان میں خلق نیک تسبیح اور طرح طرح کی عبادت ہوتی ہے اور سب آسمانوں کے فرشتے پہنچانے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں اور سب فرشتے گواہی دیتے ہیں کہ یہ اعمال پاک اور بااخلاص ہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے فرشتو تم اس کے اعمال کے نگہبان ہو اور میں اس کے دل کا نگہبان ہوں اس نے یہ عمل میرے واسطے نہیں کیا اپنے دل میں اور نیت کی ہے میری لعنت اس پر ہو۔ فرشتے کہتے ہیں کہ بارخدایا تیری لعنت اور ہم سب کی لعنت اس پر ہو۔ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین اور جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے سب اس پر لعنت کرتے ہیں۔

ریا کے باب میں ایسی بہت حدیثیں ہیں۔ بزرگوں کے اقوال یہ ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے ایک مرد کو دیکھا کہ تصنع سے سر جھکائے ہوئے ہے یعنی میں پارسا ہوں۔ فرمایا اے ٹیڑھی گردن والے گردن سیدھی کر خشوع دل میں ہوتا ہے گردن میں نہیں۔ حضرت ابوامامہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ سجدے میں پڑا ہوا مسجد میں رو رہا ہے۔ کہا کہ یہ جو تو مسجد میں کرتا ہے اگر گھر میں کرتا تو کوئی تجھ سا نہ ہوتا۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ریا کار کی تین علامتیں ہیں۔ جب اکیلا ہو تو سست ہو، جب لوگوں کو دیکھے تو چستی دکھائے، جب اس کی تعریف کریں تو عمل زیادہ کرے اور جب مذمت کریں تو عمل بہت کم کرے۔ ایک شخص نے حضرت سعید بن مسیبؒ سے پوچھا کہ جو آدمی ثواب کے واسطے اور لوگوں کی تعریف کے لیے مال دے اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا کہ بھلا وہ یہ چاہتا ہے کہ خدا اسے دشمن ٹھہرائے، کہا نہیں۔ فرمایا کہ پھر جو کام کرے خدا ہی کے واسطے کرے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ایک شخص کو دُرے مارے اور فرمایا کہ بھائی آ مجھ سے اپنا قصاص لے لے اور مجھے مار لے۔ اس نے عرض کی کہ یا امیر المومنین! آپ کی خاطر سے اور خدا کے واسطے میں نے بخش دیا، فرمایا، یہ بخشا کام نہیں آتا یا فقط میری خاطر سے بخش کہ میں اس کا حق پہچانوں یا بلاشرکت محض خدا کے واسطے بخش۔ اس نے عرض کی کہ میں نے خدا ہی کے واسطے بے شریک کے بخشا۔ حضرت فضیلؒ کہتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا کہ لوگ جو کام کرتے تھے اس میں ریا کرتے تھے اب جو کام نہیں کرتے ہیں اس میں ریا کرتے ہیں۔ حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ جب بندہ ریا کرتا ہے تو سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ دیکھو تو میرا بندہ مجھ سے کیسی ٹھٹھول کرتا ہے۔

جن کاموں میں ریا کرتے ہیں ان کا بیان

اے عزیز! جان لو کہ ریا کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے خود کو لوگوں کے سامنے پارسا جتلائے تاکہ ان کے نزدیک خود کو آراستہ کرے اور ان کے دلوں میں اپنی جگہ کرلے تاکہ لوگ اس کی عزت اور تعظیم کریں اور نیک جانیں۔ یہ اس طور سے ہوتا ہے کہ جو چیز دین میں پارسائی اور بزرگی کی دلیل ہے اسے لوگوں پر ظاہر کرے اور دکھائے۔ اس کی پانچ قسمیں ہیں:

پہلی قسم: بدن کی ظاہری صورت ہے مثلاً آدمی اپنا چہرہ زرد کرلے تاکہ لوگ جانیں کہ رات کو نہیں سوتا ہے اور خود دبلا بنائے تاکہ لوگ سمجھیں کہ بڑی ہی ریاضت کرتا ہے اور رونی صورت بنائے رکھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ دین کے غم میں ایسا ہو رہا ہے اور بالوں میں کنگھی نہ کرے تاکہ لوگ جانیں کہ اسے اتنی مہلت نہیں ہے اور خود فراموش ہے اور آہستہ آہستہ بات کرے، آواز نکالے تاکہ لوگ

سمجھیں کہ اس کے دل میں وقار دین ہے اور مرد متدین ہے اور ہونٹ خشک رکھے تا کہ لوگ جانیں کہ روزے رکھتا ہے چونکہ یہ باتیں لوگوں کے پندار کا سبب ہوتی ہیں تو ان کے ظاہر کرنے میں حلاوت اور لذت ہوتی ہے۔ اس واسطے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کو چاہیے بالوں میں کنگھی کرے، تیل لگائے اور ہونٹوں پر تیل مل لے تا کہ کوئی اسے روزہ دار نہ بتائے۔

دوسری قسم: کپڑے کے سبب سے ریا ہوتی ہے مثلاً صوف پہنتا ہے اور موٹا جھوٹا، میلا پھٹا ہوا کپڑا پہنتا ہے تا کہ لوگ اسے زاہد سمجھیں یا نیلا لباس اور گدڑی کی صوفیانہ جانماز رکھتا ہے تا کہ لوگ جانیں کہ صوفی ہے اور صوفیوں کے حالات سے اس میں کچھ بھی نہ ہو یا پگڑی کے اوپر سے چادر اوڑھے اور چمڑے کی جرابیں پہنے تا کہ لوگ جانیں کہ طہارت میں محتاط ہے اور محتاط ہو نہیں۔ یا پیراہن اور چادر رکھتا ہے تا کہ لوگ سمجھیں کہ عالم ہے اور ہو نہیں۔ لباس میں ریا کرنے والوں کے دو فریق ہوتے ہیں ایک گروہ عوام الناس کی قبولیت کا جویا رہتا ہے اور ہمیشہ پھٹے اور میلے کپڑے پہنتا ہے اگر اس جماعت سے کہیں کہ توزے خز جو حلال ہے اسے پہنو تو یہ امر ان پر موت سے زیادہ سخت ہوتا ہے کہ لوگ کہیں گے زاہد زہد سے باز آیا۔ دوسرے گروہ کے لوگ سب خاص و عام اور بادشاہ کے نزدیک قبولیت ڈھونڈتے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر پرانے کپڑے پہنتے ہیں تو بادشاہ کی نظر میں حقیر ہوتے ہیں اور اگر لباس فاخرہ پہنتے ہیں تو عوام کی نگاہ میں ذلیل ہوتے ہیں تو کوشش کرتے ہیں کہ باریک صوف اور گل بوٹہ دار لنگیاں ہاتھ لگیں جیسا صالحوں اور زاہدوں کے کپڑوں کا رنگ ہوتا ہے تا کہ عوام تو اس کا ظاہر دیکھیں اور اس کی قیمت امیروں کے لباس کے برابر ہوتی ہے تا کہ بادشاہ حقارت سے نہ دیکھیں۔ ان لوگوں میں سے اگر کسی سے کہے کہ خزیا توزے کا لباس پہن تو گو کہ اس کی قیمت ان کی لنگی کی قیمت سے بہت کم ہوتی ہے مگر اسے موت کی سختی کے برابر جانتا ہے۔ غرضیکہ جو لباس پہننے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ عوام جانیں گے کہ زہد اور پرہیزگاری سے وہ پشیمان ہوا اسے پہن نہیں سکتا۔ وہ احمق جب دل میں سمجھتا ہے کہ یہ لباس حلال ہے اور دین داروں نے اسے پہنا ہے تو بازار میں نہیں پہن سکتا گھر میں چھپا کر پہن سکتا ہے اس قدر نہیں جانتا کہ اس فعل سے خلق کو پوجتا ہے اور شاید کہ جانتا ہو مگر باک رکھتا ہو۔

تیسری قسم: بات میں ریا ہے مثلاً لب ہلاتا ہے تا کہ لوگ جانیں کہ یہ ذکر سے کبھی آسودہ نہیں ہوتا اور شاید کچھ ذکر کرتا ہو لیکن اگر چاہے کہ دل سے ذکر کرے، لب نہ ہلائے تو نہ ہو سکے کیونکہ ڈرتا ہے کہ لوگ نہ جانیں گے کہ یہ ذکر کرتا ہے یا لوگوں کے سامنے جیسا احتساب کرتا ہے خلوت میں ویسا نہیں کرتا یا صوفیوں کی باتیں سیکھ لی ہیں اور بیان کرتا ہے تا کہ لوگ جانیں کہ علم تصوف میں بڑا کامل ہے یا ہر وقت سر جھکا جھکا کر گردن ہلاتا ہے تا کہ لوگ جانیں کہ وجد میں ہے یا آہ کرتا ہے یا غمگین دکھائی دیتا ہے تا کہ لوگ سمجھیں کہ دین اسلام کا غم کھا رہا ہے یا حدیثیں اور حکایتیں سیکھ لی ہیں اور بیان کرتا ہے تا کہ لوگ کہیں کہ یہ شخص بڑا عالم ہے اور اس نے بہت پیروں کو دیکھا اور سیر وسفر کیا ہوگا۔

چوتھی قسم: عبادت میں ریاء ہے مثلاً جب کوئی دُور سے آیا تو اس کے سامنے اچھی طرح سے نماز پڑھتا ہے سر جھکا کر لمبے رکوع سجود کرتا ہے۔ ادھر اُدھر نہیں دیکھتا یا لوگوں کو جتا کر خیرات دیتا ہے اور ایسے بہت سے امور ہیں اور لوگوں کے سامنے چلتے وقت آہستہ چلتا ہے اور سر آگے جھکائے رہتا ہے اور جب اکیلا ہوتا ہے تو ہر طرف دیکھتا ہوا جلدی جلدی چلتا ہے جب دور سے کوئی نظر آجاتا ہے تو آہستہ آہستہ چلنے لگتا ہے۔

پانچویں قسم: یہ ہے کہ ظاہر کرے کہ میرے مرید اور شاگرد بہت ہیں اور سردار اور امیر لوگ میرے سلام کو آتے ہیں اور مجھ سے برکت لے جاتے ہیں اور علماء میری تکریم کرتے ہیں اور مجھے اچھا جانتے ہیں اور کبھی یہ باتیں اس کی زبان پر آتی ہیں کہ مثلاً اگر کسی سے لڑتا ہے تو کہتا ہے کہ تو کون ہے اور تیرا پیر اور مرید کون ہے میں نے اتنے پیروں سے ملاقات کی ہے اتنے برس فلانے مرشد کی حضور میں

رہا ہوں تو نے کسے دیکھا ہے اور ایسی باتیں کرتا ہے اور اس سبب سے اپنے اوپر بہت رنج گوارا کرتا ہے اور کھانے پہننے میں ریاء بہت ہی آسان ہے۔ ایک راہب تھا اس نے اس مزے کے واسطے کہ لوگ جانتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں گھٹاتے گھٹاتے ایک چنا اپنی غذا کردی تھی۔ اگر عبادت میں اظہار پارسائی کے واسطے ہوں تو یہ سب باتیں حرام ہیں اس واسطے کہ پارسائی خدا ہی کے واسطے کرنا چاہیے لیکن جو کام عبادت نہ ہو اگر اس کے سبب سے قبولیت اور جاہ طلب کرے گا تو درست ہے اس واسطے کہ اگر کوئی شخص بہت اچھے کپڑے پہن کر اور نہایت آراستہ ہو کر باہر نکلے تو مباح ہے بلکہ سنت ہے کیونکہ جمال سے اپنی مروت ظاہر کرنا پارسائی نہیں بلکہ اگر کوئی شخص علم لغت اور علم نحو اور علم حساب اور علم طب کے سبب سے اپنی فضیلت ظاہر کرے یا ایسی چیز کے سبب سے جو نہ علم دین میں سے ہو نہ عبادت کے واسطے تو یہ ریاء مباح ہے کیونکہ ریا طلب جاہ کا نام ہے اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ طلب جاہ اگر حد سے تجاوز نہ کرے تو مباح ہے لیکن طاعت اور عبادت سے نہ ہو۔ رسول مقبول ﷺ نے ایک دن باہر جانا چاہا کہ اصحاب جمع تھے پانی گھڑے میں دیکھ کر آپ نے اپنے بال اور عمامہ درست کرلیا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ایسا کرتے ہیں فرمایا ہاں حق سبحانہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس امر کو درست رکھتا ہے کہ جب اپنے بھائیوں کو دیکھنے جانے لگے تو ان کے واسطے تجمل کرلے اور خود سنوار لے ہر چند کہ فعل رسول مقبول ﷺ ہی سے اصل دین تھا کیونکہ آپ اس بات کے مامور تھے کہ لوگوں کے دل اور نظریں خود کو آراستہ رکھیں تا کہ آپ کی طرف لوگ زیادہ میل کریں اور پیروی کریں لیکن اگر کوئی اور یہ فعل تجمل کے واسطے کرے تو درست ہے بلکہ سنت ہے اس کے فائدوں میں سے ایک یہ بات ہے کہ اگر آدمی خود کو پریشان صورت رکھے گا اور مروت نہ نگاہ رکھے گا تو لوگ اس کی غیبت کریں گے اور اس سے نفرت کریں گے اور وہی خود اس کا سبب ہو گا لیکن اگر عبادت میں ریاء ہو تو دو سبب سے حرام ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر 48 پر)

کلاسز کا باقاعدہ آغاز 11 مئی 2015ء سے

طالبات کے لیے خوشخبری

18 مارچ 2015 سے داخلہ جاری

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج کا اجراء

علاقہ ونہار میں نظام تعلیم میں ملٹی میڈیا متعارف کروانے والا پہلا ادارہ

کورسز:۔ F.Sc (Pre.Med)، F.Sc(Pre-Eng)، I.C.S.، I.Com، F.A.(I.T.)

نمایاں خصوصیات

تدریس بذریعہ لیکچر سسٹم + ملٹی میڈیا

M.Sc، M.Phil تجربہ کار اساتذہ

ماہانہ ٹیسٹ کا خصوصی انتظام

سٹوڈنٹس کے لیے Presentation اور Saminars کا انعقاد

بورڈ کے امتحانات اور پروفیشنل ڈگری کی منظم اور بھرپور تیاری

ہاسٹل کی سہولت، بہترین Mess، اعلیٰ سکیورٹی اور جنریٹر کی سہولت کے ساتھ

لڑکیوں کی دینی ماحول میں بہترین کردار سازی

گولڈن پیکیج:۔

میٹرک میں 90% سے زائد نمبرز پر مفت تعلیم | 85% سے زائد نمبرز پر نصف فیس | حافظ قرآن کے لیے خصوصی رعایت

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج، دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال۔

رابطہ: 0341-0642642، 0332-8384222، 0543-562200

خواتین کا صفحہ

حضرت اُمِ معبد خزاعیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام فاران، راولپنڈی

نام ونسب:

آپؓ کا نام عاتکہ تھا اور کنیت اُمِ معبد تھی۔ باپ کا نام خالد بن حلیف بن مُنقِذ بن ربیعہ بن اصرم بن ضبیس بن حرام بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو تھا۔ آپؓ کا تعلق بنوخزاعہ کی شاخ بنی کعب سے تھا۔

نکاح:

آپؓ کا نکاح اپنے ابن عم (چچازاد) تمیم بن عبدالعزیٰ بن منقذ سے ہوا جو ایک جفاکش بدوی تھے۔

عام حالات:

جس زمانے میں اسلام کا آفتاب فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہو رہا تھا یہ مختصر سا خاندان غربت کے عالم میں بڑے عجیب دن گزار رہا تھا۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے والے راستے پر قُدید نامی ایک چھوٹی سی بستی صحرا سے متصل واقع تھی جس کے کنارے پر اس گھرانے کی کل متاع ایک خیمہ، بکریوں کے ریوڑ، چند برتن اور مشکیزوں پر مشتمل تھی۔ خاوند کا زیادہ وقت بکریاں چرانے میں گزرتا۔

مہمان نوازی:

حضرت عاتکہؓ ایک پاک دامن، باوقار اور بلند حوصلہ خاتون تھیں۔ اپنی کنیت ''اُمِ معبدؓ'' سے مشہور تھیں اور وجہ شہرت آپؓ کی روایتی مہمان نوازی تھی جو عربوں کا خاصہ تھی لیکن آپؓ ایثار اور خدمتِ خلق کے جذبات سے خاص طور پر متصف تھیں۔ افلاس اور تنگ دستی کے باوجود آپؓ قُدید سے گزرنے والے مسافروں کی نہایت خوشدلی سے مہمان نوازی کرتی تھیں۔ پانی، دودھ، کھجوریں، گوشت جو بھی میسر ہوتا حاضر خدمت کر دیتیں۔ اس کی بدولت آپؓ کا نام دُور دُور تک مشہور ہو گیا اور لوگ آپؓ کی عالی حوصلگی اور شرافت کی تعریف کرتے۔

بعثتِ نبوی کے تیرھویں سال تک ام معبدؓ کو خدمتِ خلق کرتے سالہا سال گزر چکے تھے اور وہ جوانی سے گزر کر پختہ عمر کو پہنچ چکی تھیں۔ اس وقت حضور ﷺ عرب کے صحرا نشینوں میں ''صاحب قریش'' کے نام سے مشہور تھے چونکہ مکہ مکرمہ تمام عرب کا مرکز تھا اور قافلے اور مسافر دُور دُور سے یہاں آتے اور آپ ﷺ کے دعویٰ نبوت کا حال اثنائے سفر اور واپسی پہ اپنے قبائل میں بیان کرتے تھے تو یوں تمیم اور ام معبدؓ کے کانوں تک بھی آپ ﷺ کی دعوت کی بھنک پڑ چکی تھی۔ تاہم ان کی زندگی اپنی ڈگر پہ چل رہی تھی۔ ان غریب اور سادہ لوح بدویوں کے لیے بڑا کٹھن تھا کہ ایسی باتوں کی تحقیق کے لیے دُور دراز کا سفر کریں اور پھر انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک دن اُن کی صحرائی قیام گاہ پہ آفتاب دو عالم کی آمد ہو گی کہ صحرا کا ذرہ ذرہ جگمگا اُٹھے گا اور ارض وسماء اس مہمان کے باعث ان مکینوں کی خوش بختی پہ رشک کریں گے۔

ہجرتِ مدینہ اور ام معبدؓ کی سعادت:

ربیع الاول ۱۳ بعثت میں رحمت عالم ﷺ نے ارضِ مکہ کو الوداع کہا اور عازمِ مدینہ ہوئے۔ تین راتیں غارِ ثور میں گزاریں اور دوبارہ نکل پڑے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عامرؓ بن فہیرہ آپ ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ حضور ﷺ ایک اونٹنی پہ اور دوسری پہ یہ دونوں حضرات سوار تھے جبکہ اس مقدس قافلے کے

آگے آگے عبداللہ بن اریقط اللیثی پیدل چل رہا تھا۔ وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود قابل اعتماد تھا چونکہ مکہ سے مدینہ جانے والے تمام راستوں سے واقف تھا اس لیے آپ ﷺ نے اُجرت پہ اسے ساتھ لے لیا تھا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق ایک اونٹنی پہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ سوار تھے جبکہ دوسری پہ باقی دونوں حضرات سوار تھے۔ جب یہ مختصر قافلہ قُدید کے مقام پہ پہنچا تو حضرت اسماؓ ذات النطاقین بنت ابوبکر صدیقؓ کا باندھ کر دیا ہوا کھانا ختم ہو چکا تھا اور حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی بھوک اور پیاس کے عالم سے گزر رہے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ نے ام معبدؓ کی شہرت سن رکھی تھی اور انہیں یقین تھا کہ اُن کی قیام گاہ پہ کھانے پینے کا کچھ انتظام ضرور ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ مقدس قافلہ ام معبد کے خیمے پر جا کر رُکا۔ وہ اس وقت اپنے خیمے کے صحن میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان دنوں خشک سالی نے اس علاقے پہ قیامت ڈھا رکھی تھی اور ان کی گزر بسر بڑی تنگی و ترشی میں ہو رہی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے ام معبد سے دریافت فرمایا: بہن! پانی، دودھ، کھجوریں یا کھانے کی کوئی چیز تمہارے پاس موجود ہو تو ہمیں دو''۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''ہم اس کی قیمت ادا کریں گے۔''

ام معبدؓ نے بصد حسرت جواب دیا ''خدا کی قسم! اس وقت گھر میں کوئی بھی کھانے کی چیز موجود نہیں اگر ہوتی تو فوراً حاضر خدمت کر دیتی۔'' ایک دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا ''اور تو کچھ موجود نہیں ایک بکری حاضر ہے تھوڑا سا دودھ دیتی ہے جو آپ ﷺ کے لیے کافی نہ ہوگا، چاہیں تو ذبح کر لیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''معبد کی ماں! اگر اجازت ہو تو ہم اس کا دودھ دوہ لیں۔'' ام معبد نے کہا: ''بصد شوق، لیکن مجھے اُمید نہیں کہ یہ ایک قطرہ دودھ بھی دے گی۔''

حضور ﷺ نے بکری کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا جو کہ بہت لاغر تھی اور برکت کی دعا کی پھر بسم اللہ پڑھ کر جونہی اس کے تھنوں کو ہاتھ لگایا وہ دودھ سے بھر گئے۔ حضور ﷺ نے ایک بڑا برتن منگا کر دودھ نکالا جو جلد ہی بھر گیا۔ حضور ﷺ نے اپنے رفقا اور ام معبد کو پلایا جب انہوں نے سیر ہو کر پی لیا پھر آپ ﷺ نے خود پیا اور فرمایا ''ساقی القوم آخرھم''۔ (لوگوں کو پلانے والا خود آخر میں پیتا ہے)۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے مزید دودھ نکالا اور بھرا ہوا برتن اِم معبد کے گھر پہ چھوڑ دیا اور آگے روانہ ہو گئے۔

ام معبدؓ کا بیان ہے کہ جس بکری کو حضور ﷺ نے دوہا تھا اس سے عہد فاروقی تک استفادہ کرتے رہے اور ہماری ضرورتیں بخوبی پوری ہوتی رہیں۔

خاوند کی واپسی پہ حضور ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ام معبدؓ کا شوہر واپس آیا۔ خیمہ میں دودھ سے لبریز برتن دیکھ کر حیران ہوا۔ بیوی سے پوچھا: ''اتنا دودھ کہاں سے آیا؟'' ام معبدؓ نے جواب دیا: ''خدا کی قسم! ایک بابرکت مہمان کا یہاں ورود ہوا انہوں نے بکری کو دوہا۔ خود بھی دودھ پیا، اپنے ساتھیوں کو بھی پلایا یہ دودھ ہمارے لیے بھی چھوڑ گئے ہیں۔''

ابو معبد، تمیم نے کہا: ''ذرا اس کا حلیہ تو بیان کرو۔'' دراصل اس کو شک گزرا کہ یہ مسافر وہی تو نہیں جسے وہ ''صاحب قریش'' کے نام سے سن چکے ہیں۔

حلیہ مبارک:

ام معبدؓ نے بے ساختہ جو حضور ﷺ کا حلیہ بیان کیا، تاریخ نے اسے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا اور اِم معبدؓ نے کیا ہی خوب فرمایا۔ فرماتی ہیں: ''پاکیزہ صورت، کتابی چہرہ، خوش خلق، نہ بدن فربہ نہ نحیف، حسین و جمیل آنکھیں موٹی اور سیاہ، بال گھنے اور لمبے، سیدھی گردن، آنکھ کی پتلیاں روشن، سرگین چشم، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگھریالے بال، خاموشی میں نہایت باوقار، تکلم دلنشیں، دُور سے دیکھنے میں نہایت سجیلے اور دلربا، قریب سے نہایت شیریں و خوبرو، شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام الفاظ کی کمی بیشی سے پاک، تمام گفتگو

موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی (یعنی مسلسل، مربوط اور برمحل) میانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر معلوم نہیں ہوتا اور نہ طویل کہ آنکھ وحشت زدہ ہو جائے۔ زیبندہ نہال کی شاخ تازہ، زیبندہ منظر، عالی قدر، رفقاء ایسے کہ ہر وقت گرد و پیش رہتے ہیں جب وہ کچھ کہتے ہیں تو بڑی توجہ سے سنتے ہیں اور جب وہ حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لیے لپکتے ہیں۔ مخدوم، مطاع، مالوف نہ ادھوری بات کرنے والے اور نہ ضرورت سے زیادہ بولنے والے۔''

ابو معبد یہ صفات سن کر بول اُٹھے۔''خدا کی قسم! یہ تو وہی صاحب قریش تھے جن کا ہم ذکر سنتے رہتے ہیں، میں ان سے ضرور جا کر ملوں گا۔''

قبولِ اسلام:

امِ معبدؓ کے قبول اسلام کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ ان کے کانوں میں ''صاحب قریش'' کی بھنک پہلے ہی پڑ چکی تھی چنانچہ انہوں نے پہلے پہل ہی سرورِ کونین ﷺ کو پہچان لیا۔ پہلی نظر ہی جب رخِ انور پہ پڑی تو دل نے گواہی دی کہ یہی توحید کے داعی اور نیکی و ہدایت کی طرف دعوت دینے والے ہیں چنانچہ وہ پہلی ملاقات میں ہی ایمان لے آئیں اور حضور ﷺ نے ان کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

دوسری روایت کے مطابق حضور ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد ابو معبد اور اُم معبد ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کیا۔

ام معبدؓ کے زندگی کے دیگر حالات تاریخ میں نہیں ملتے تاہم ان کی زندگی کا یہ ایک واقعہ ہی انہیں شہرت عام اور بقائے دوام عطا کر گیا کہ ملتِ اسلامیہ کے تمام افراد ابدالاباد تک ان پر رشک کرتے رہیں گے۔

کسی شاعر نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

جزی اللہ رب الناس خیر جزائہ
رفیقین حلّا خیمتی ام معبد
هما نزلا بالبر ثم تزوحا
فافلح من امسی رفیق محمدؐ
لیهن بنی کعب مقام فتاتهم
ومقعد ها للمومنین بمرصد

(الروض الانف، جز و:2،ص:320)

ترجمہ: ''اللہ ان دو رفیقوں کو جزائے خیر دے جو اُم معبدؓ کے خیمے میں مقیم ہوئے اور وہ نیکی سے ٹھہرے اور پھر چل دیئے اور جو شخص محمد ﷺ کا رفیق ہوا، کامیاب ہوا۔ بنی کعب کو ایسی لڑکیاں مبارک ہوں جن کا مکان، مسلمانوں کی جائے پناہ ہے۔''

رضی اللہ عنہا

(صفحہ نمبر 45 سے آگے)

ایک سبب تو یہ ہے کہ اس میں دغا ہے کہ لوگوں کو دکھاتا ہے کہ میں اس عبادت میں مخلص ہوں اور چونکہ اس کا دل خلق کی طرف نگران ہے وہ مخلص نہیں ہے اور اگر لوگ جانیں گے کہ یہ ہمارے واسطے کرتا ہے تو اسے دشمن ٹھہرائیں گے اور قبول نہ کریں گے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ روزہ نماز تو خدا کی عبادت ہے جب بندوں کے واسطے کیا تو حق تعالیٰ کے ساتھ ٹھٹھول کی اور ضعیف اور عاجز بندہ کو ایسے کام میں مقصود رکھا جس میں حق تعالیٰ مقصود اور معبود ہوتا ہے۔ اس کی مثل اس شخص کی ایسی ہے جو کسی بادشاہ کے تخت کے سامنے خدمت کے واسطے کھڑا ہو اور اس کی غرض یہ ہو کہ کسی غلام یا لونڈی کو دیکھے اور بادشاہ کو جتائے کہ میں کھڑا ہوں اور مقصود اور ہی چیز ہے تو یہ بادشاہ کے ساتھ ہلکا پن اور دل لگی بازی ہے کیونکہ دوسری غرض اس کے نزدیک بادشاہ کی خدمت سے زیادہ اہم ہوئی اسی طرح جو شخص نماز کو کھڑا ہو اور حقیقت میں رکوع سجود اور کسی کے واسطے کرتا ہے تو اگر سجود اس کی تعظیم کے واسطے ہوگا تو خود شرک ظاہری ہے۔ آدمی کو تعظیم اس وجہ سے ہوئی کہ اس کی قبولیت بھی مقصود ہے حتیٰ کہ خدا کو سجدہ کرتا ہے اور آدمی کی قبولیت حاصل کرتا ہے۔ یہ ریا شرک خفی ہے شرک جلی نہیں۔

بچوں کا صفحہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ع خان، لاہور

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں روم کے بادشاہ نے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے فوج روانہ کی۔ اس فوج کو روکنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلامی لشکر روانہ فرمایا۔ اسلامی فوج نے رومی فوجوں کو شکست دی اور شام تک کا علاقہ فتح کرلیا اور بیت المقدس تک جا پہنچی۔ اس دوران حضرت ابوبکر صدیقؓ وصال فرما چکے تھے اور حضرت عمر فاروقؓ امیر المومنین منتخب ہو چکے تھے۔ جب اسلامی فوجیں بیت المقدس کے دروازے تک جا پہنچیں تو نصرانیوں کے علماء نے شرط لگائی کہ آپ لوگ اپنے امیر کو بھیجیں۔ ہماری کتب میں اُن کا حلیہ مبارک لکھا ہوا ہے جن کے ہاتھوں بیت المقدس کو فتح ہونا ہے۔ اگر تو آپ لوگوں کے امیر کا حلیہ مبارک وہی ہوا تو ہم شہر خالی کردیں گے۔ اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں یہ پیغام پہنچا دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنا خادم ساتھ لیا اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ اب سینکڑوں میل کے اس سفر میں لوگ دو تھے اور سواری کے لیے ایک اونٹ تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ اس قدر انصاف پسند تھے کہ آپؓ نے اس چیز کو پسند نہیں فرمایا کہ خود سینکڑوں میل کا یہ سفر اونٹ پر طے کریں اور خادم پیدل چلے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اونٹ پر سواری کے لیے باری مقرر فرمائی کہ اتنی دیر آپؓ اونٹ پر سوار ہوتے اور خادم اونٹ کی مہار پکڑ کر چلتا۔ پھر وہ اونٹ پر سوار ہو جاتا اور امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ اونٹ کی مہار پکڑ کر چلتے۔ جب دو لوگوں کا یہ قافلہ بیت المقدس کے قریب پہنچا تو سواری کی باری خادم کی تھی۔ خادم نے عرض کی کہ لوگ آپؓ کے استقبال کے لیے آئے ہوں گے، آپؓ اونٹ پر تشریف رکھیں اور میں اونٹ کی مہار پکڑ کر چلتا ہوں لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اس مشورے کو قبول نہیں فرمایا۔ جب آپؓ شہر میں داخل ہوئے تو اس طرح کہ خادم اونٹ پر سوار تھا اور آپؓ اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ نصرانی علما نے یہ دیکھا اور بیت المقدس کی چابیاں بخوشی حضرت عمر فاروقؓ کے حوالے کردیں کہ ہماری دینی کتاب میں لکھا ہے کہ بیت المقدس جن کے ہاتھوں فتح ہونا ہے وہ شہر میں اس طرح داخل ہوں گے کہ خادم اونٹ پر سوار ہوگا اور وہ اونٹ کی مہار تھامے چل رہے ہوں گے۔ نصرانی علما اور اُن کے عوام اس قدر بڑی سلطنت کے حکمران کی ایسی انصاف پسندی پر حیران رہ گئے۔

ملک مصر کے ایک مشہور دریا کا نام دریائے نیل ہے۔ ملک مصر میں اسلام پہنچنے سے پہلے ایک رواج تھا کہ اگر دریائے نیل میں پانی کم ہونے لگتا تو اردگرد زمینیں کاشت کرنے والے ایک لڑکی کو اچھے اچھے کپڑے اور زیورات پہنا کر دریائے نیل میں ڈال دیتے۔ اُن لوگوں کا عقیدہ تھا کہ یہ قربانی قبول کر کے دریا دوبارہ پانی سے بھر جائے گا اور اُن کی فصلیں سوکھنے سے بچ جائیں گے۔ اپنے اس عقیدے پر وہ لوگ صدیوں سے قائم تھے۔ جب اسلام کی بہاریں مصر تک پہنچیں تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمروؓ بن عاص کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا۔ ایک دن کچھ لوگ حضرت عمروؓ بن عاص کے پاس حاضر ہوئے کہ دریا کا پانی سوکھ رہا ہے اور اس سے پہلے ہم ایسا ہونے پر ایک لڑکی کو دریا میں ڈال دیتے تھے۔ آپؓ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنا یہ رواج پورا کریں۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے فرمایا کہ یہ تو ظلم ہے اور اس ظلم کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ آپ لوگ صبر سے کام لیں، اللہ تعالیٰ کوئی بہتر صورت پیدا فرمائیں گے۔ ساتھ ہی حضرت

عمروؓ بن العاص نے حضرت عمر فاروقؓ کے نام ایک خط لکھ بھیجا جس میں یہ سارا واقعہ لکھ دیا اور ساتھ میں درخواست کی کہ اس سلسلے میں حکم دیا جائے کہ کیا کرنا چاہیے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو جب یہ خط ملا تو آپؓ نے ایک خط دریائے نیل کے نام لکھا، جس کا مضمون یہ تھا:

''یہ خط اللہ کے بندے عمرؓ بن خطاب کی طرف سے
مصر کے دریائے نیل کے نام ہے۔ اے دریا اگر تو
اللہ کے حکم سے بہتا ہے تو ہم اللہ ہی سے تیرے
جاری ہونے کا سوال کرتے ہیں اور اگر تو اپنی مرضی
سے بہتا ہے تو ہمیں تیری کوئی ضرورت نہیں۔''

پھر حضرت عمر فاروقؓ نے ایک خط گورنر کے نام لکھا کہ میں نے جو خط دریا کے نام لکھا ہے اُسے لے جا کر دریا میں ڈال دیا جائے۔ گورنر حضرت عمروؓ بن عاص نے ایسا ہی کیا اور پھر دریائے نیل کے اردگرد رہنے والے لوگوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ اس منظر نے اُن کے صدیوں پرانے رواج اور عقیدے کو مسمار کر کے رکھ دیا کہ خط دریا میں ڈالنے کے کچھ ہی دیر بعد دریا میں پانی چڑھ آیا اور اس دن کے بعد سے آج تک دریائے نیل کبھی خشک نہیں ہوا۔

حضرت عمر فاروقؓ اتنی بڑی سلطنت کے فرمانروا تھے کہ آج کے زمانے میں تو کوئی اس سلطنت کی وسعت کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپؓ کی دن بھر کی مصروفیات بھی سلطنت کی وسعت کے حساب سے اتنی ہی زیادہ تھیں۔ اس کے باوجود حضرت عمر فاروقؓ رات کا ایک پہر مدینہ منورہ کی گلیوں میں گھوم پھر کر خود ذاتی طور پر لوگوں کی تکالیف اور ضروریات جاننے کی کوشش فرماتے تھے۔ کبھی کوئی خادم ساتھ ہوتا اور کبھی بالکل اکیلے ہی ایسا کرتے۔ ایک دفعہ رات کے وقت حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے پاس تشریف لائے کہ شہر کے باہر ایک قافلہ اُترا ہے۔ لوگ تھکے ماندے ہوں گے، چلیں چل کر ہم پہرہ دیتے ہیں اور پھر رات بھر اُن دونوں مبارک ہستیوں نے قافلے کی حفاظت کے لیے پہرہ دیا۔

انسانی عقل و شعور اس بات پر حیران رہ جاتے ہیں کہ صحبتِ نبویؐ نے اُن ہستیوں کے اندر کیا برکات بھر دیں تھیں کہ سارے دن کے سلطنت کے امور انہیں رات رات بھر عوام کی تکالیف اور ضروریات کے بارے میں آگاہ رہنے کے لیے گشت کرنے سے نہ روک پاتے تھے۔ بے شک عبادات بھی اُن ہستیوں کی اپنے پائے کی تھیں اور دنیا کے امور میں بھی کوئی اُن ہستیوں کے پائے کا نہ تھا۔

حالت برزخی

عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیانی عرصہ کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ اس عالم میں جو حالت پیش آتی ہے اُسے حالت برزخی کہتے ہیں۔ اس میں میت پر دونوں جہانوں کے حالات منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام پر عالم دنیا میں یہ حالات منکشف ہوتے ہیں جو عارف باللہ اولیاء اللہ نور نبوت سے اپنے قلوب کو منور کر چکے ہوتے ہیں، ان پر بھی یہ حالت آتی ہے۔ دنیوی زندگی میں ان پر تین حالتیں آتی ہیں، ایک بیداری، دوسری نوم، تیسری حالت ان دونوں کے درمیان۔ یہی حالتِ برزخی ہے۔ انبیاء علیہم السلام پر جب وحی نازل ہوتی ہے اور انہیں الہام اور انکشاف شروع ہوتا ہے تو ان پر یہی برزخی حالت طاری ہوتی ہے اور اولیاء اللہ پر بھی یہ نیابتِ نبوت یہی حالت آتی ہے۔ اس حالت میں انبیاء اور اولیاء من وجہ دنیا سے منقطع ہوجاتے ہیں۔ یہ حالت استغراق نہ بیداری ہوتی ہے نہ نوم۔ اس حالت برزخی میں الہام وانکشاف شروع ہوجاتا ہے۔

(دلائل السلوک از حضرت مولانا اللہ یار خان صاحبؒ)

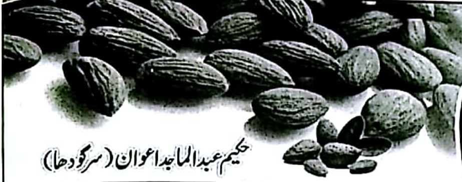

بادام

حکیم عبدالماجد اعوان (سرگودھا)

☆۔ سانس کی بیماریوں جیسے کھانسی میں بادام کو لیموں کے جوس کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔

غذائی تجزیہ

غذائیت	%	وٹامنز اور منرلز	ملی گرام
پانی	5.2	کیلشیم	230
لحمیات	20.8	فاسفورس	490
روغنیات	58.9	فولاد	4.5
دھاتیں	2.9	نایاسین	4.4
ریشے	1.7	وٹامن بی کمپلیکس	تھوڑی مقدار
کاربوہائیڈریٹس	10.5	Calorficvalue	665

Value per 100gms edible portion.

ہمارے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند بادام سے تیار کرہ (Mlik Almond) ہے۔ جو کہ باداموں کے چھلکے اتار کر اسے اچھی طرح رگڑتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ پانی بھی ملاتے ہیں۔ جب خوب رگڑائی کے بعد نہایت عمدہ قسم کا مشروب بن جائے تو اس میں چینی ملا کر پیا جاتا ہے جو کہ غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے۔ باداموں کی مقدار حسب ضرورت شامل کی جاسکتی ہے اندازاً ایک کلوگرام سردائی تیار کرنے کے لیے 250 گرام بادم کی گریاں استعمال کی جائیں سردارئی یا بادام کے دودھ (Almond Mlik) کی عام دودھ سے کچھ زیادہ اہمیت ہوتی ہے یہ زود ہضم ہوتا ہے اور ان بچوں کے لیے مفید ہوتا ہے جس کو بھینس کا دودھ موافق نہ ہو۔

بادام میں موجود روغن غیر سیر شدہ ہوتا ہے جو کہ بہترین روغنیات میں سے ایک ہے۔ اس میں لینولینک ایسڈ کی مقدار 11 گرام حساب فی 100 گرام میں پائی جاتی ہے یہ لحمی ترشہ (Fatty acid) خون میں کولیسٹرول کو کم کرنے کے لیے بہت مفید ہے۔

فوائد: دماغ و بصارت کی تقویت کے لیے اس کا استعمال بہت مفید ہے۔ امراض دندان کے لیے اس کے سخت چھلکے کو جلا کر بطور منجن استعمال کرتے ہیں دل کی کمزوری کے لیے موسم گرما میں اس کا شربت بنا کر لیتے ہیں۔ قبض کے لیے روغن بادام کا استعمال نرم مزاجوں کے لیے از حد مفید ہے۔

Jannah. Each one of them feels that by doing the above, they have bought a place in Jannah.

Remember, Jannah belongs to Allah (SWT) and He (SWT) will grant it to those, He (SWT), may choose and will give it for free. It is my wish and prayer that He (SWT) gives it to everyone. Jannah is way more vast than His Creation and His Mercy is endless; so may He (SWT) give everyone a place in Jannah, we have no objections. However, it is his His (SWT) decision that He (SWT) has allowed only one path into Jannah, which is, by following in the Noble footsteps of the Prophet (SAWS). The only option for a believer is to adopt this path of obedience and servitude to the Prophet (SAWS); and thus be admitted into Jannah.

However, If someone decides to stand in defiance to the Prophet (SAWS), then he certainly cannot find the path that leads to Jannah.

So, we must remember that Karbala can be experienced in every moment of our lives, we must see where we stand; are we in the ranks of Hazrat Hussain (RAU) or standing behind Yazid?

Finished

Chapter - III

EVIDENCE ON TASAWWUF

Continued from Page 55

Likewise everything falling within the zikr-wave is affected and joins in zikr. Imam Sha'rani is said to have once noticed during zikr that everything had joined in. By morning, the entire earth had been affected and everything was in harmony with him in zikr. The Prophet's-S.A.W. saying that anyone sitting with those engaged in zikr does not remain wretched, points to this meaning. In fact, zikr is life and animates everything in its wake. This influence extends according to the strength and sincerity of the endeavour of the one engaged in it, till the entire environment springs to life and joins in. If you can discern this reality, it will be easier to discuss the secret of birds and mountains joining the Prophet Daud (AS) in hymning His praise. The entire atmosphere was influenced by zikr. According to the Holy Qurān, everything joined his Halqah-e Zikr and since he was a Prophet, the strength and influence of his zikr was proportionate to his status. This is not so in the case of others.

Zikr by the trees, the stones, the mountains and the birds is clearly proved by Hadith. Ibn-e Majah and Tirmizi under chapters on Hajj, while al-Bukhari has listed this Hadith under Azan:

The Prophet-S.A.W. said that when a Muslim recites Talbih (a set of phrases repeated by the pilgrim affirming his presence before ALLAH), all stones, trees and pebbles join him till it spreads to all corners of the globe.

About the Azan, al-Bukhari quotes the Holy Prophet-S.A.W:

"Anyone who hears the Azan from among men, the jinn and other creation will bear witness to it on the Day of Reckoning."

Continued.....

was shed to scribe on the face of time as to what was Right and what was Falsehood and that Falsehood was not to be followed or obeyed. Otherwise the other option was to give Falsehood the chance to do as it wanted. The sacrifice at Karbala, has documented this rule for all times to come, that anybody who rules according to his personal whims will not be obeyed. Islam only allows obedience to the one who implements Allah's Canons and the rules laid by Quran.

In our era we find learned scholars, noteable Allamas Islamic Jurists and Reformers who receive funds worth millions and are even part of the parliament on which every month crores of rupees are spent, yet all they say are political slogans. They raise a hue and cry over petty political issues but do not speak up, for Islam. If today this field of action was to be named as the field of Karbala tell how many of them are Hussaini? Which of the Scholars, Allamas, political or religious party is standing in the ranks of Hazrat Hussain (RAU)?Let me make it very clear that it is not merely a matter of holding mourning sessions, processions or distributing food. If we think that only doing the above, is sufficient in paying our tribute to Hazrat Hussain (RAU), than we surely have not even bothered to understand the importance of the great sacrifice, he (RAU),made at Karbala. The least we can do is to correct ourselves; to at least try not to become a Yazid ourself. Whereas we see all around us that a Yazid is hiding inside everyone; bigger in some and smaller in some, grabbing whatever he can lay his hand on. If he can, he grabs the wealth of and honor of others also.

Remember Karbala was not an accident it was an event. If I go out on the road and a car comes and hit me and as a result I die, this is an accident. However, If I stand up in front of a car saying that I will not let you cross this line and it passes over me crushing me down, then this is not an accident, it is an event. Karbala is an event not an accident, full of passion, full of feelings and spirit. There was an incentive which made them stand up against power. There was a thought which compelled them to put up a resistance; they could have given in and taken the oath of allegiance and the issue could have been resolved. He (RAU) did not want to pledge his allegiance to a person who had an autocratic mindset, for if he (RAU) did, it would have provided a reason to people for doing what they liked, for all the times to come. Hence Hazrat Hussain (RUA), did not submit to power.

Today, it should be seen as to who is paying heed to Allah's Commands, to the sayings of His Prophet (SAWS) and the upholding of Islam and who is trying to block the ways of Islam. Unfortunately, the nation has adopted for an easy shortcut; some recite couplets of grief, some mourn and strike themselves, some fast on this day, some cook sweets and distribute them and celebrate the Ashura like a day such as Eid and feel satisfied that they are now a resident of

THE REALITY OF KARBALA

PART - IV (Last Part)

Translated Speech of
Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA 27 Feb 2004

However, if they had taken the oath, it would have meant that it is alright for the people to do what they want, as long as they keep reciting the credal statement and offering Salat; there was no threat to Islam. It must be remembered that Islam is not the name of personal worshipping and credal statements; rather Islam is the name of the relationship with Allah (SWT), Allah's Prophet (SAWS) and Allah's creation. Islam is the relationship with Allah (SWT), based on faith (Imaan) and worship. It is the relationship with Allah's Prophet (SAWS), based on faith and obedience and with Allah's Creation, it is based on justice and fairplay. When any of this relationship is ignored, a pillar of Islam gets damaged. In the case of making a relationship with Allah (SWT), it is easily made, on a verbal claim. We say we believe in Allah (SWT), so it is a matter between Allah (SWT) and the claimant, nobody else, can tell whether a person really believes or not. We offer salat but nobody can tell the intentions behind the Salat; whether it is being offered with a sincere heart or only for pretence. People copy the Noble turnout of the Prophet (SAWS) but do not know whether it was initiated out of love or tradition.Although now a days there is a growing casual attitude about Salat and the Sunah in Salat, but it is a matter of a person's relationship with Allah (SWT), so as such, it does not affect people directly. But when it comes to the dealings with Allah's Creation, then it affects every person, whom you deal with. Each one of us, becomes a judge, saying what are you doing with me? If this part of mutual dealings is retracted from Islam, then what is left behind, in Islam?

To uphold and protect this segement of mutual rights and fairplay, the Noble Grandson of Allah's Messanger (SAWS), sacrificed his entire Household, without a second thought. He (RAU) must have thought that, on the Day of Judgment, what if the Prophet (SAWS) questions him, as to why did he (RAU), make His (SAWS) daughters cry, in the wilderness of the desert? Why did he (RAU), allow His (SAWS) grand children to be killed brutally? Who gave him (RAU) this authority? Why did he not agree to the demands? Why did he get everyone killed?

Hazrat Hussain (RAU) will have the answer; that there were only two options left. One was that either the Noble blood

The expression 'Aada-li Waliyàn' in the Hadith denotes real enmity with ALLAH, not His friend; otherwise, the expression 'Aada Waliyàn-li' would have been used. To expound the meaning of this Hadith, Allama Sayuti edited a whole treatise called al-Qaul al-Jali fi Hadith al-Wali which is available in my personal library. In his al-Hãwi lil-Fatãwa, Allama Sayuti has listed this Hadith with slight variation in the wording from five different narrators (of great standing): Anas bin Mãlik, Hadhrat Ai'shãh, Hadhrat Memuna, Ibn-e Abbas and Abi Imama (May ALLAH be pleased with them all).

These various wordings of the Hadith clearly bring out the fact that the Prophet (SAWS) formally advised his Ummah to love the aulia (ALLAH's friends) and dare not oppose them. Writes Allama Ibn-e Jozi:

We have been persuaded to embed in our hearts the love for a wali-ALLAH. In one Hadith, the Prophet (SAWS) supplicates in these words, "O Rabb! I beseech You of Your Love and the love of the one who holds You dear."

Allama Shokani dilates on this Hadith in the following words:

And the Hadith lists the means adopted by His bondsmen to attain His Love. The Prophet (SAWS) supplicated for the love of those who love Him; and it is an established fact that only sincere bondsmen bear love with Him. So their love is an act of His obedience and a form of His nearness. (Tuhfa tuz-Zakirin, p: 331)

Two points have been repeatedly emphasised in these narrations. The first is a prohibition, i.e. enmity of the aulia. Here, the warning is so stern that it has been proclaimed as enmity with Him. The second is a command, i.e. to cultivate love for the aulia, which has been declared as a means to His obedience and nearness. The reason is quite obvious: the aulia are to be loved because they show the way to His Love. They have a well tried prescription in the form of zikr. When it is performed in their company, in the prescribed manner, it surely results in ALLAH's Love. Al-Bukhari and al-Muslim recount the benefits and the end-results of this collective zikr in the following words:

When a group of men assemble for ALLAH's zikr, the Angels cover them by their wings; they are engulfed by His Grace. A state of peace descends on them and they are in turn, remembered by Him in the presence of Angels. It is such a group, that anyone joining it does not die as a wretched.

This Hadith clearly brings out the effects of zikr and the company of the aulia, so much so, that the latter alone are a guarantee against a miserable end. Hadhrat Anwar Shah Kashmiri explains this Hadith further in his Faidh al-Bari:

The Angels spread their wings over them; they are encircled like the sun in an eclipse. The light of zikr spreads around them like the waves caused by a stone flung in water. These waves are, of course, proportionate to the force with which the stone is hurled.

(Continued on Page 52)

he got near the fire, a voice was heard, "Praised be the Being within"; though he could see only the fire. When His refulgence manifested through the fire, voice was heard, "I am ALLAH." The point to ponder over is: How did Musa hear ALLAH's Speech from the fire? The speaker apparently is the burning bush but the speech has been attributed to ALLAH, because His Refulgence appeared in the burning bush which became an intermediary of His gnosis. The object of refulgence acted for the Refulgent. The fact is that the Divine light reflected in the fire because at that time Musa (AS) needed the fire. If you have understood the reality of Divine Refulgence, go past mere analogies and get closer to Him. When it is true of a bush that a voice "I am ALLAH" can be heard from inside it; there is no reason to doubt that He can act through the instrumentality of His confidants. When man is created on the countenance of the Beneficent, why should he be considered inferior to that bush of Prophet Musa-A.S? Such issues must be pondered over very carefully, for mere conventional knowledge cannot lead us anywhere. There can be no access to these realities, without having recourse to sûfi knowledge. Every expert should confine himself to his own domain, and this is the domain of the sûfis alone.

This discussion unveils yet another mystery, i.e. the Divine Speech is eternal just like His Refulgence, but it appeared in a created object, i.e. the burning bush, and was heard also. This is exactly the case of the Qurãn; it is eternal, non-creation but manifests itself through the speech of the creation. Likewise, the Divine words manifest themselves in the form of kashf and ilhãm through an enlightened heart.

Imam Zahbi's remarks referred to above have been elaborated in the explanation of Mizan-e E'tedal (vol: I, p: 301):

Had I not been over-awed by the authenticity of al-Bukhari, I would have listed this Hadith in the fabrications of Khalid bin Mukhallad.

The great scholar Allama Ibn-e Hajr has refuted this remark in a splendid manner in his monumental work Fatah al-Bari. Sheikh Anwar Shah Kashmiri has remarked that the problem of a particular field should better be entrusted to an expert of that field. It does not behove an unacquainted person to comment on it just to satisfy his vanity.

Difference in Nearness through Obligatory and Supplemental Worship

Discussing this point, the sûfis assert that in case of nearness through obligatory worship a bondsman becomes His limbs; but vice versa, in the case of supplemental worship (becoming limbs is an allegory to indicate the state of nearness because ALLAH is beyond any corporeal description).

When a bondsman reaches such a stage of His nearness, the declaration, "Whosoever bears enmity with My friend, I proclaim war against him", no longer looks strange. (Faidh al-Bari, vol: IV, p: 427)

An Objective Appraisal of The Sublime Path

Translation of "Dalail us Suluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan (RAU)

EVIDENCE ON TASAWWUF
Chapter - III (Continued)

A Muslim who (after embracing Islam) fails to abide by its essentials has indeed wronged himself. Lukewarm is the one who obeys the commands and abstains from the prohibitions; he is just an ordinary believer. While the third category is that of a true believer who worships ALLAH as if he sees Him, or inversely is fully convinced of His seeing him.

ALLAH's Nearness through Supplemental Worship

The Prophet- (SAWS) quotes Him Almighty:

"The nearness attained by My bondsman through obligatory worship is unique. Then he continues to draw near to Me through supplemental works until I begin to love him. And when I love him, I am his ears so he hears by Me and his eyes so that he sees by Me."

A great saint Hadhrat Anwar Shah while discussing this Hadith in Faidh al-Bari writes:

When Imam Zahbi came across this Hadith while compiling his Mizan-e E'itedal, he wailed, "Had I not been over-awed by the authenticity of al-Bukhari (containing this Hadith), I would have adversely commented on it."

Sheikh Anwar Shah Kashmiri remarks: "Glorified be ALLAH! Imam Zahbi completely ignored logic. When the Hadith is correct (obviously, because it is contained in al-Bukhari), it should have been readily accepted as such. It is always advisable to entrust a problem that is beyond one's comprehension to those who know, rather than venturing a comment. However, the Ulama who are content with the exoterics of religion explain the meaning of this Hadith thus:

All the body organs of the bondsman become subservient to His Will. With this state, it will be correct to assert that he hears for the sake of ALLAH and also sees for His sake. This is what is meant by ALLAH acting as ears and eyes of a bondsman. I say that this interpretation does not convey the correct sense of the Hadith. The narration is in 'first person singular' which denotes that a bondsman who has attained ALLAH's nearness retains only his form and appearance; all his actions are directly controlled by Him. This is the station termed as Fana-fi- ALLAH by the sûfis, which means that such a person is no longer possessed by his desires, his reins are with ALLAH.

The analogy is found in the Qurān in the story of Prophet Musa(AS) When

MONTHLY
Al-Murshid

February 2016
Rabi-ul-Sani/Jamadi-ul-Awwal 1437H

محمد رسول الله

With a single beat of the heart the name of Allah (SWT) is repeated ten trillion times, however to maintain this blessing one has to stay convinced of Allah's Magnanimity constantly. (Page 16)

Al-Sheikh Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan (MZA)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ شَرَائِعَ الْإِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ فَأَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ أَتَشَبَّثُ بِهِ قَالَ: لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (رواه الترمذي)

Narrated by Hazrat Abdullah Bin Basr (RAU), a person asked the prophet (SAWS) that he felt he could not rightfully discharge all orders of Shariah as they should be done, so he may be told some easy comprehensive deed which he could practice diligently. The Prophet (SAWS) replied: Always keep your tongue moistened with Allah's Zikr.

MASJID RAYA MOSQUE (TANJONG PINANG, INDONESIA)

MONTHLY AL-MURSHID PS/GPL#115
17-AWASIA SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراً اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255